انصاف پسندی

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُونُوا۟ قَوَّٰمِينَ بِٱلْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰٓ
أَنفُسِكُمْ أَوِ ٱلْوَٰلِدَيْنِ وَٱلْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَٱللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ
فَلَا تَتَّبِعُوا۟ ٱلْهَوَىٰٓ أَن تَعْدِلُوا۟﴾ [النساء: ١٣٥]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! انصاف پر پوری طرح قائم رہنے والے، اللہ کے لیے شہادت دینے والے بن جاؤ، خواہ تمھاری ذاتوں یا والدین اور زیادہ قرابت والوں کے خلاف ہو، اگر کوئی غنی ہے یا فقیر تو اللہ ان دونوں پر زیادہ حق رکھنے والا ہے، پس اس میں خواہش کی پیروی نہ کرو کہ عدل کرو۔“

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ کہ مقدموں میں ان کی شہادتیں ہمیشہ اللہ کی رضامندی کے لیے ہوں، اپنی ذاتی خواہش یا کسی مصلحت کے لیے نہ ہو۔ خواہ وہ شہادت خود ان کی ذات، ان کے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، شہادت میں نہ امیر کی امیری اور نہ غریب کی مفلسی پر رحم کھایا جائے۔

کفار اور یہود ونصاریٰ سے دشمنی کیوں؟

ایسا نہیں کہ اسلام نے یہود ونصاریٰ اور کفار ومشرکین سے صرف دوستی نہ کرنے ہی کا حکم دیا ہے بلکہ اس کے اسباب وعوامل سے بھی ہمیں روشناس کرایا ہے، چنانچہ یہ بات لوگوں کے مابین بالکل عام ہے کہ ہر شخص اپنے دوست کے دین وعقیدہ پر ہوتا ہے، اس لیے بُرے لوگوں کی صحبت سے بچنے کی غیر معمولی تاکید آئی ہے، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ((الرجل علی دين خليله فلينظر أحدكم من يخالل .)) (ترمذي، رقم الحديث: ٢٣٧٨) ''آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، لہٰذا تم میں سے کوئی جب کسی کو دوست بنائے تو اس کو چاہیے کہ اس میں غور وفکر کرلے۔'' اسی طرح شاعر نے کہا ہے: عن المرء لا تسأل وسل عن قرينه فكل قرين بالمقارن يقتدي

یعنی کسی آدمی کے بارے میں جاننا ہو تو اس کے بارے میں نہ پوچھو بلکہ اس کے دوست کے بارے میں پوچھو، اس لیے کہ ہر شخص اپنے دوست کی اقتدا او اطاعت کرتا ہے۔ اور ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ((المرء مع من أحب .)) (صحيح بخاري، رقم الحديث: ٦١٦٨) ''انسان اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔'' اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: قیامت کب آئے گی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تُو نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟'' تو اس اعرابی نے کہا: اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((أنت مع من أحببت .)) (صحيح مسلم، رقم الحديث: ٦٧١٠) ''تو انھیں کے ساتھ ہوگا جن سے تُو نے محبت کی ہے۔''

ان تمام آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ یہود ونصاریٰ اور کفار ومشرکین سے محبت نہیں ہونی چاہیے کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہیں کرتے۔ اور اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرنا اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کا سبب بن سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان سے دشمنی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

گزشتہ سطور کے دلائل سے یہ بات بھی واضح اور ثابت ہوگئی کہ ہر شخص اپنے دوست کے دین وطریقہ اور منہج پر ہوتا ہے، اس لیے کہ ہر آدمی اپنے ہی ظرف کے مطابق دوست ودشمن کا انتخاب کرتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ آدمی دوست بنانے سے پہلے اپنے دوست کو خوب اچھی طرح جانچ پرکھ لے، پھر اس کو دوست بنائے کیونکہ اگر دوست بُرا ہوگا تو دین واَخلاق اور کردار وعادات کا بگڑنا لازمی امر ہے۔ اور یہی اللہ پر سچے اور حقیقی ایمان کا تقاضا بھی ہے کہ آدمی اس چیز کو پسند کرے جو چیز اللہ کو محبوب ہے اور اس شخص کو پسند کرے جو شخص اللہ ورسول کے یہاں محبوب وپسندیدہ ہے اور اس چیز سے آدمی نفرت کرے جو اللہ کے نزدیک مبغوض اور ناپسندیدہ ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے بارے میں فرمایا کہ جو حقیقی مومن ہیں وہ ہرگز کافروں کو دوست نہیں بنائیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [آلِ عمران: ٢٨] ''مومنوں کو چاہیے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں۔''

اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے ان آباء واجداد اور اہلِ قبائل کو دوست نہ بنایا جو دینِ حق سے اپنا رشتہ نہ جوڑ سکے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ﴾ [المجادلة: ٢٢] ''اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے، گو وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبہ (قبیلے) کے (عزیز) ہی کیوں نہ ہوں۔'' اس لیے کہ ان کا ایمان ان کو ان کے ساتھ محبت واخوت سے روکتا ہے اور ایمان کی رعایت اخوت اور خاندانی وبرادری کی محبت ورعایت سے زیادہ اہم اور ضروری ہے، چنانچہ صحابہ کرام نے عملاً ایسا کرکے دکھایا۔ صحابہ نے اپنے باپ، اپنے بیٹے، اپنے بھائی اور اپنے چچا، ماموں اور دیگر رشتہ داروں کو جنگ میں قتل کرنے تک سے گریز نہیں کیا اگر وہ کفر کی حمایت میں کافروں کے ساتھ لڑنے والوں میں شامل ہوتے۔ سیر وتواریخ کی کتابوں میں یہ مثالیں درج ہیں، اسی ضمن میں جنگ بدر کا واقعہ بھی قابل ذکر ہے جب اسیرانِ جنگ کے بارے میں مشورہ ہوا کہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے یا قتل کردیا جائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا تھا کہ ان کافر قیدیوں میں سے ہر قیدی کو اس کے مسلم رشتہ دار کے سپرد کردیا جائے جسے وہ خود اپنے ہاتھوں سے قتل کرے۔ (مولانا اسعد اعظمی حفظہ اللہ)



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا

بانی: مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ

سرپرست: مولانا ابوبکر صدیق السلفی

مسلک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

ہفت روزہ

الاعتصام

لاہور

یکے از مطبوعات دار الدعوۃ السلفیۃ

22 محرم الحرام 1434ھ جمعة المبارک 07 تا 13 دسمبر 2012ء

شمارہ 47 جلد 64

بدل اشتراک

فی پرچہ	:	12/- روپے
سالانہ	:	500/- روپے
بیرونی ممالک سے	:	200/- ریال
		60/- ڈالر امریکی

خط کتابت کے لیے	:	ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر	:	ABL 2466-4 بلال گنج برانچ لاہور
فون نمبر	:	042-3735 4406
فیکس نمبر	:	042-37229802
رجسٹرڈ نمبر	:	CPL : 12

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

ادار یہ

ترجیح

حافظ احمد شاکر

وطن عزیز میں آج کل انتخابات کا غلغلہ بپا ہے۔حکمران صوبائی ومرکزی اراکین اسمبلیوں کو ان کے فنڈ زاپنے روشن مستقبل کی روشنی کو دیکھ کر دے رہے ہیں، امیدوار مارکیٹنگ بھی کر رہے ہیں، اپنے گرد بالی عمریا کے نعرے باز، روشن مستقبل کے متلاشی نوجوان، فیض یاب سیاسی کارندے، باتونی اور چرب زبان نمائندے اکٹھے کرنے کے علاوہ پانچ سال بعد ووٹروں کے احوال، یعنی ووٹروں کے نومولودوں کی معلومات، داغ مفارقت دینے والوں کی تفصیلات اور ووٹروں کی زندگی میں تبدیلی لانے والے واقعات کی تفصیلات بھی اکٹھی کر رہے ہیں تاکہ امیدوار اپنے کارندوں اور نمائندوں کے ذریعے نئے ہتھکنڈے تلاش کر سکیں جن کے ذریعے ووٹر مزید پانچ برس کے لیے ان کے بھرے میں آسکیں اور ووٹروں کو نئے نئے لولی پاپ دے کر بہلا سکیں۔

یہ بات تو اب کوئی ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ ہمارے ہاں کی مروّجہ جمہوری سیاست عموماً افراد اور کبھی کبھی سیاسی جماعتوں کے مفادات کے گرد ہی گھومتی ہے۔ دین تو کارِزارِ سیاست میں شامل بھی سیاسی و مذہبی جماعت کے ارادوں اور منشوروں میں اگر کہیں نظر آتا بھی ہے تو وہ صرف برائے وزن بیت ہی ہوتا ہے۔ وگرنہ خطرہ ہے اور طریق سیاست جس کی چغلی بھی کھا رہا ہے کہ آقائے ولی نعمت یہی چاہتا ہے کہ جن ممالک کی تقلید میں ہمارا ہر سیاستدان اور سیاسی جماعتیں آغوش جمہوریت کے لیے ماری ماری پھر رہی ہیں، ان ممالک کی تقلید میں کہیں ان ہی کی طرح مذہب کو بھی ہر فرد کا ذاتی معاملہ قرار نہ دے دیا جائے۔ ما قدر الله

ہمارے ہاں جاری وساری جمہوریت کا ایک بزنس ہونا اب کس سے پوشیدہ ہے؟ سیاستدانوں کے نہاں خانوں سے نکلی ہوئی جو باتیں عوام کالانعام تک پہنچتی ہیں ان کے مطابق پہلے مرحلہ پر امیدوار کو اپنے پسند کردہ حلقے میں الیکشن لڑنے کے لیے پارٹی فنڈ کے نام پر ''چندہ'' دینا پڑتا ہے جو انتخاب میں پہلی امیدوار کی سرمایہ کاری ہوتی ہے۔ اگر ایک سے زیادہ امیدوار ہوں تو پھر سیاسی جماعتیں نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز کا رویہ اپنا لیتی ہیں۔ اس ساری طول کلامی کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے ہاں کی سیاست ایک خالص نفع آور تجارت ہے اس میں سرمایہ کاری افراد بھی کرتے ہیں اور سیاسی جماعتیں بھی۔ مشکل اور آزمائش مذہبی جماعتوں کے لیے اس لیے ہوتی ہے کہ یہ الگ اپنے بل بوتے پر سرمایہ کاری کر نہیں سکتیں اور اگر کچھ نیازمند یہ بیڑہ اٹھا بھی لیں تو پھر سرمایہ کار کے جذبات، رجحانات بلکہ ''ضروریات'' تک کا خیال رکھنا پڑتا ہے اور سیاست کے اس گھن چکر میں مذہب و مسلک بلکہ اسلام تک کی پاسداری ممکن نہیں رہتی۔ اس لیے مذہبی جماعتوں سے درخواست ہے کہ

- ...... ہمارے خیال میں ایسی سیاست 'جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے' میں حصہ لینا اصحابِ منبر ومحراب کی شان سے فروتر ہے۔
- ...... اگر حصہ لینے کی مجبوری آن ہی پڑی ہے تو ہر مذہبی جماعت اولاً دین اسلام کو ترجیح دے اور ان کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے ...... ذات و جماعت سے ہٹ کر ...... دین کے مفادات کو مقدم رکھیں۔
- ...... کوئی بھی مذہبی جماعت کسی ایک سیاسی جماعت کے ساتھ نتھی ہونے کی بجائے اپنے اپنے علاقے میں مذہبی و مسلکی مفادات کے تحت فیصلہ کرے۔ اور مذہبی جماعت کے سربراہوں کی طرف ان کو اجازت ہونی چاہیے۔
- ...... تمام مذہبی جماعتیں اور پاکستانی عوام سیاست کے صرف دو خانے بنائیں: دینی، لادینی۔ وطن عزیز کی سیاست کا بے لاگ تجزیہ کیا جائے تو لادینی سیاست انتخابات میں تقسیم نہیں ہوتی کہ وہ اپنے ہم فکر افراد یعنی لابی کا مقابلہ ہی نہیں کرتے اور یہی لوگ دینی ذہن کی جماعتوں اور افراد کو مختلف

ترغیبات وتحریصات دے کراور سبز باغ دکھا کر گروہوں اورٹکڑیوں میں اس طرح آمنے سامنے لے آتے ہیں کہ دینی ذہن کے ووٹ تقسیم ہوجاتے اور یہ سب ناکام ہوجاتے ہیں اور لادین طبقہ کامیاب ہوجاتا ہے۔

موجودہ انتخابی معرکے میں ایک دیندار ذہن میدان میں ہے اور ایک لادین، ثانی الذکر کے حلیف حسب سابق کسی نہ کسی درجہ پر آمادۂ مصالحت ہوجائیں گے۔ جب کہ دیندار طبقہ ابھی تک مخمصے میں ہے۔ اگر وہ دین پسند افراد کے لیے ترغیبات کے پھیلائے جالوں کو نظر انداز کر کے قربانی کے جذبے سے ون ٹو ون لادین طبقے کا مقابلہ کریں، روٹھوں کو منالیں اور روٹھنے والے بھی ماضی کی تلخیاں بھلا کر جماعت ومسلک سے بالا ہو کر صرف اسلام کی خاطر سینہ چاکان چمن سے آ کر سینہ چاک وطن عزیز کی بہتری کے لیے آملیں تو پھر شاید بہتری کی کوئی صورت نکل آئے۔

باقی رہی نومولود تیسری جماعت تو اس سے اگر کوئی نقصان پہنچا تو وہ بائیں بازو کو ہی پہنچے گا کیونکہ لبرل طبقے کے ووٹ تو پکے ہیں۔ کیونکہ پیپلز پارٹی کے حکمران سارے ملکی اور قومی وسائل انتخابات کی خاطر اپنے اتحادیوں ...... ق لیگ، ایم کیو ایم، اے این پی وغیرہ ...... پر نچھاور کر رہی ہے اور پاکستانی جمہوریت یا سیاست تو ہے ہی مفادات کا کھیل۔ اگرچہ یہ بات پہلے بھی سورج کی طرح واضح تھی اور ایک طبقہ اس بات کا پہلے بھی دبے لفظوں میں اظہار کرتا تھا لیکن اب جناب بڑے میاں صاحب نے بہ زبان خود یہ اعتراف بھی کر دیا یا احسان جتلا دیا ہے کہ موجودہ حکومت کے طول اقتدار یا پی۔ پی کے تزئین گلستان میں ن لیگ کا خون بھی شامل ہے۔

میاں برادران خصوصاً بڑے میاں صاحب کو اپنے ووٹروں بلکہ خیر خواہوں کے جذبات کا خیال بھی رکھنا چاہیے اور یاد بھی رہنا چاہیے کہ عوام ان کو مذہبی گھرانے کا فرد جانتے ہوئے ان کے بارے میں نیک خواہشات رکھتے تھے اور ہیں اب اگر میاں صاحب بھی سیاست کی نمکین کان میں جا کر نمک بننے کا ارادہ کر چکے ہیں تو پھر عوام کی بلا سے کہ اقتدار کے ایوانوں میں بوم بسے یا ہما رہے۔

وطن کی ساکھ:

اگلے دن اخبارات نے P.I.A کے ایک طیارے میں آگ لگنے کی خبر دی۔ الحمدللہ جانیں تو محفوظ رہیں لیکن طیارے کو بہر صورت نقصان پہنچا ہی ہوگا جس کی تفصیلات ہم نہ پڑھ سکے۔

اس سے کئی سال قبل ایک طیارہ شمالی علاقہ جات میں ایسا گم ہوا کہ اس کی اب تک دوبارہ خبر ہی نہیں آئی۔ ایک طیارہ ملتان کے قریب کریش ہوگیا تھا۔ شاید گزشتہ سال ہی ایئر بلو کا ایک طیارہ اسلام آباد کے علاقے میں تباہ ہوگیا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے فضل خاص فرمایا کہ جانیں بچ گئیں۔ ایسے ہی ہمارے ریلوے کے کئی حادثات ہوئے لیکن چھوٹے درجے کے ملازمین پر عتاب کے سوا کبھی کسی بڑے کی خبر نہیں آئی۔ حوادثات دوسرے ممالک میں بھی ہوتے ہیں لیکن عموماً ہونے والے حوادث کے متعلق افسران اور وزراء خود بہ خود کوتاہی کے اعتراف کے ساتھ مستعفی ہوجاتے ہیں۔ ہمارے ہاں کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے کہ نہ کوئی افسر مستعفی ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی وزیر۔ بلکہ اس کی خبر ''حسب توفیق'' ہی اخبارات میں آتی ہے۔ وگرنہ میڈیا کو چپ کرانا کون سا مشکل رہا ہے۔

اس دفعہ P.I.A کی حج فلائٹ سے ''تمتع'' کا موقع ملا۔ لاہور جدہ، کراچی جدہ روٹ۔ یہ غالباً دنیا کا مہنگا ترین روٹ ہے۔ لیکن بے چارے حاجیوں کے لیے P.I.A میزبانی اس طرح کرتی ہے کہ ان کو کہیں اچھے کھانے کی عادت نہ پڑ جائے۔ لہٰذا مساکین جیسا کھانا ان کو دیا جاتا ہے۔ وہ بھی ...... دوسری فلائٹوں کی نسبت ...... ادھورا۔ حاجیوں کے کولیسٹرول کا خیال رکھتے ہوئے بڑے اہتمام سے سبزی دی جاتی ہے۔ چائے تبرکاً دکھائی جاتی ہے۔ یکم نومبر کی جدہ لاہور کی فلائٹ نمبر ۳۲۰۴ صرف چار گھنٹے ہی لیٹ ہوئی اور اس کے پچھلے حصے میں ''لوڈ شیڈنگ'' کی وجہ سے اے۔سی بھی بند تھا اور رہا جہازوں کا معیار! تو آپ نے آگ لگنے سے دیکھ ہی لیا اور اس کے باوجود یہ قومی ادارہ مسلسل خسارے سے دوچار ہے۔ ظاہر بات ہے نوازشات کی برکھا کا انجام یہی ہوا کرتا ہے۔

P.I.A کے انتظامی امور سے شاید کسی نہ کسی درجے میں وزارت دفاع کا تعلق بھی ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ادارہ صرف تعلقات کی ساکھ بناتا ہے۔ مشورہ ہے کہ اس سے متعلقہ وزارت کو وطن عزیز کی ساکھ کا خیال رکھنا چاہیے۔ ایسے اداروں ہی کی کارکردگی سے حکومت کی صلاحیت اجاگر ہوتی ہے۔

درس قرآن

قسط نمبر ۵۰

تفسیر سورۂ یٰسٓ

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ یقیناً وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔اس کی دشمنی تو تمھارے ابّا آدم علیہ السلام کے وقت سے ہے جب اس نے تمھارے ابّا کی تکریم نہ کی اور اللہ تعالیٰ نے اسے مردود قرار دے کر اپنے ہاں سے نکال دیا تو یہ تمھاری مخالفت پر اُتر آیا اور بڑی دلیری سے کہا:

﴿قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ۝﴾ [ص: ۸۲]

''کہا: تو قسم ہے تیری عزت کی، میں ضرور بالضرور ان سب کو گمراہ کروں گا۔''

اور یہ بھی کہا:

﴿لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ۝﴾

[الأعراف: ۱۶،۱۷]

''میں ضرور ہی ان کے لیے تیرے سیدھے راستے پر بیٹھوں گا۔ پھر میں ہر صورت ان کے آگے سے، ان کے پیچھے سے اور ان کی دائیں طرفوں سے اور ان کی بائیں طرفوں سے آؤں گا اور تُو ان کے اکثر کو شکر کرنے والے نہیں پائے گا۔''

جس نے یوں دربارِ الٰہی میں کھڑے ہو کر کھلم کھلا تمھارے خلاف اعلانِ جنگ کیا ہو، بھلا اس کی دشمنی میں بھی کوئی شک ہوسکتا ہے!

پھر اس کی دشمنی سے خبردار علیم وخبیر ذات نے کہا اور ایک دو بار نہیں بلکہ کم وبیش نو، دس مرتبہ فرمایا کہ وہ تمھارا دشمن ہے اور ہمیں بھی حکم فرمایا: ﴿فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا﴾ [فاطر: ٦] یعنی وہ تمھارا کھلا دشمن ہے، اس لیے تم بھی اسے اپنا دشمن سمجھو۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو بھی خبردار کیا تھا کہ یہ تمھارا دشمن ہے مگر آدم علیہ السلام اس نصیحت کو بھول گئے اور اس کے بھرّے (ترغیب وتحریص) میں آ گئے۔ جس درخت کے قریب جانے سے روکا اس کا پھل کھا لیا تو جنتی لباس اُتر گیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَ اَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۝﴾ [الأعراف: ۲۲]

''کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا اور تم دونوں سے نہیں کہا تھا کہ بے شک شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے۔''

عجیب اتفاق ہے کہ آدم علیہ السلام کو شیطان نے قسمیں کھا کے یقین دلایا کہ میں تمھارا خیر خواہ ہوں:

﴿وَ قَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ۝﴾ [الأعراف: ۲۱]

''اور اس نے دونوں سے قسمیں کھا کے کہا: بے شک میں تم دونوں کے لیے یقیناً خیر خواہوں سے ہوں۔''

جنت میں ہمیشہ رہنے کا سبز باغ دکھایا اور جنت سے نکلوانے کا سبب بن گیا۔ بالکل اسی طرح اولادِ آدم کو دنیا کی زیبائش وآرائش اور اس کی لذات کا ایسا سبز باغ دکھاتا ہے کہ انھیں بھی جنت سے محروم رکھنے کی شب وروز کوشش میں ہے۔

پھر یہ ایسا خطرناک دشمن ہے کہ نظر نہیں آتا۔ ہر وقت تاک لگائے بیٹھا ہے اور کوئی موقع خالی نہیں جانے دیتا۔ یہ اگر بُرائیوں میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو نیکی کے نام سے بدعات اور بزرگوں کی تکریم وتعظیم کے نام سے شرک کا ارتکاب بھی کرواتا ہے۔ مختلف اشخاص پر اپنے داؤ پیچ کس طرح آزماتا اور اپنے دام تزویر میں کس طرح انھیں پھنساتا ہے اس کی تفصیل علامہ ابن الجوزی کی ''تلبیس إبلیس'' اور

حافظ ابن قیم کی "إغاثة اللهفان" میں دیکھی جاسکتی ہے۔
علامہ رازی نے یہاں بڑی لطیف بات فرمائی ہے:
جب شیطان انسان کا دشمن ہے تو آخر انسان اس کے پھندے میں کیسے پھنس جاتا ہے اور شراب وزنا جیسے اعمال میں کیسے مبتلا ہوجاتا ہے؟ فرماتے ہیں کہ اس کا سبب یہ ہے کہ شیطان انسان کے اعوان وانصار کے ذریعے سے یہ کام کرواتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو قوت شہوانیہ دی ہے تاکہ نکاح کرے اور سلسلۂ نسب قائم رہے مگر شیطان اسی قوت شہوانیہ سے ناجائز خواہش کو پورا کرواتا ہے اور اسے ہلاکت کے راستے پر ڈال دیتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو قوت غضبیہ دی ہے کہ اللہ کے باغیوں سے جہاد کرے، منکرات کے خلاف اقدام کرے مگر شیطان اس قوت غضبیہ کو بھڑکاتا ہے اور فتنہ وفساد کا دروازہ کھول دیتا ہے۔
اور گناہوں کی طرف میلان کی وہ صورت ہے جو مریض کی مضرِ صحت اشیاء کی طرف میلان کی ہے۔ مزاج کی تبدیلی سے بخار اور نزلے کی صورت میں جب وہ ٹھنڈا پانی پینا چاہتا ہے تو وہ اس کی بیماری میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔ اگر معدہ کمزور ہے اور وہ پیٹ بھر کر کھانے لگے تو یہ مزید فسادِ معدہ کا باعث بنتا ہے۔ مگر جس کا مزاج درست ہے وہ وہی چیز پسند کرے گا جو اس کے لیے فائدہ مند ہو۔
دنیا تو متعفّن ہوا کی طرح ہے اور انسان اس میں سانس لینے سے بے نیاز نہیں ہے۔ یہ متعفّن ہوا اُس کے مزاج کو برباد کردینے والی ہے اور اسے پاکیزہ اور صاف کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ اسی طرح انسان دنیا کے امور سے مستغنی نہیں اور یہی امور شیطان کے معاون ہیں۔ اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ انسان ذکر اللہ اور زہد وتقویٰ کا اہتمام کرے اور خواہش کا غلام نہ بنے۔ اس کا جب یوں مزاج درست ہوگا تو وہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا، احکام کی پابندی میں کوئی کلفت محسوس نہیں کرے گا اور احکام الٰہی سے اسے محبت ہوگی۔ ایسے موقع پر شیطان اس سے نااُمید ہوجائے گا۔ (ملخصاً)
﴿وَاَنِ اعْبُدُوْنِیْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ٥﴾ [یسٓ: ٦١] پہلی آیت میں شیطان کی عبادت سے منع کیا گیا اور اب اس آیت میں اللہ کی عبادت کا حکم ہے۔ صحیح حکیم مریض کو پرہیز ہی نہیں بتلاتا کہ یہ نہ کھاؤ اور یہ استعمال نہ کرو بلکہ ساتھ ساتھ مفید صحت چیزوں کے استعمال کا حکم بھی دیتا ہے کہ یہ کھاؤ اور یہ یہ اشیاء استعمال کروتا کہ صحت بحال ہو۔ اسی طرح حکیم مطلق نے بھی فساد سے روکا ہے اور صراطِ مستقیم کی پابندی کا حکم فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے شیطان کی عبادت سے روکا ہے، پھر اپنی عبادت کا حکم دیا ہے، اس لیے کہ پہلے رذائل سے دست کش ہو لے، پھر اس پر توحید کا رنگ چڑھے گا۔ پہلے صفائی ہوتی ہے، پھر زیبائش وآراستگی ہوتی ہے۔ توحید نفی واِثبات کا نام ہے، یعنی اللہ کی عبادت کا اِثبات اور غیر اللہ کی عبادت کی نفی۔ یہی کامل توحید ہے اور یہی صراطِ مستقیم ہے۔ اس کے مقابلے میں صراطِ جحیم ہے۔ ایک طرف عبادتِ رحمان ہے تو دوسری جانب عبادتِ شیطان ہے۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی جب بنی اسرائیل کو دعوت دی تو فرمایا:
﴿اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ٥﴾ [آلِ عمران: ٥١]
"بے شک اللہ ہی میرا رب ہے اور تمھارا رب ہے، پس اس کی عبادت کرو، یہ سیدھا راستہ ہے۔"
یہی بات سورۃ الزخرف (آیت: ٦٤) میں بھی فرمائی گئی ہے۔
ایک اور مقام پر فرمایا:
﴿وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ٥﴾ [آلِ عمران: ١٠١]
"اور جو شخص اللہ کو مضبوطی سے پکڑے تو یقیناً اسے سیدھے راستے کی ہدایت دی گئی۔"
جو اللہ پر اعتماد کرے، اسی پر بھروسہ اور توکل کرے وہی صراطِ مستقیم کا راہ رَو ہے۔ ایک بندۂ مومن ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ

﴿نَسۡتَعِيۡنُ﴾ کہہ کرعبدیت کا اقرار کر کے جب عرض گزار ہوتا ہے کہ ﴿اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ﴾ تو اس سے مراد اسی اقرارِ توحید پر استقامت کا سوال ہے کہ یہی توحید و اخلاص صراطِ مستقیم ہے اور یہی "منعم علیهم" (انعام یافتہ) کا راستہ ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کے جتنے بھی طریقے ہیں وہ قطعاً صراطِ مستقیم نہیں، وہ ضلالت اور صراطِ جحیم ہے، خواہ وہ مظاہرِ قدرت کی عبادت ہو، جیسے: سورج، چاند، آگ اور کواکب کی عبادت ہے۔ یا فرشتوں کی عبادت ہو یا انبیاء اور صلحاء کی عبادت ہو، ان کی قبروں اور مجسموں کی پرستش ہو۔ یہ تو خود اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار ہیں:

﴿لَنۡ يَّسۡتَنۡكِفَ الۡمَسِيۡحُ اَنۡ يَّكُوۡنَ عَبۡدًا لِّلّٰهِ وَلَا الۡمَلٰٓئِكَةُ الۡمُقَرَّبُوۡنَ وَمَنۡ يَّسۡتَنۡكِفۡ عَنۡ عِبَادَتِهٖ وَيَسۡتَكۡبِرۡ فَسَيَحۡشُرُهُمۡ اِلَيۡهِ جَمِيۡعًا﴾ [النساء: ۱۷۲]

"مسیح علیہ السلام اس سے ہرگز عار نہ رکھے گا کہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور نہ مقرب فرشتے ہی اور جو بھی اس کی بندگی سے عار رکھے اور تکبر کرے تو عنقریب وہ ان سب کو اپنی طرف اکٹھا کرے گا۔"

رسول اللہ ﷺ سے اسی حقیقت کا یوں اعلان کروایا گیا:

﴿قُلۡ اِنَّنِيۡ هَدٰىنِيۡ رَبِّيۡۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ دِيۡنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ○ قُلۡ اِنَّ صَلَاتِيۡ وَنُسُكِيۡ وَمَحۡيَايَ وَمَمَاتِيۡ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ○ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرۡتُ وَاَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ○﴾

[الأنعام: ۱۶۱-۱۶۳]

"کہہ دے: بے شک میری تو میرے ربّ نے سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کردی ہے جو مضبوط دین ہے، اس ابراہیم کی ملت جو ایک ہی طرف کا تھا اور مشرکوں سے نہ تھا۔ کہہ دے: بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اس اللہ کے لیے ہے جو جہانوں کا رب ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں حکم ماننے والوں میں سے سب سے پہلا ہوں۔"

یہی اعلان ایک اور اسلوب میں کرایا گیا:

﴿قُلۡ هٰذِهٖ سَبِيۡلِيۡۤ اَدۡعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيۡرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيۡ وَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ○﴾

[یوسف: ۱۰۸]

"کہہ دے: یہی میرا راستہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں پوری بصیرت پر، میں بھی اور وہ بھی جنھوں نے میری پیروی کی ہے اور اللہ پاک ہے اور میں شریک بنانے والوں سے نہیں ہوں۔"

یہ راستہ توحید کا اور اللہ کے ساتھ مخلص ہوجانے کا راستہ ہے:

﴿وَمَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِيَعۡبُدُوا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤۡتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيۡنُ الۡقَيِّمَةِ ○﴾ [البينة: ۵]

"اور انھیں اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اس حال میں کہ اس کے لیے دین کو خالص کرنے والے، ایک طرف ہونے والے ہوں اور نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں اور یہی مضبوط ملت کا دین ہے۔"

صراطِ مستقیم کے حوالے سے مزید سورۂ یٰسٓ کی آیت نمبر ۶۱ کے تحت جو کچھ ہم ذکر کر آئیں اس پر بھی ایک نگاہ ڈال لیجیے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ شیطان کے بارے میں تو فرمایا ہے کہ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے مگر عبادتِ الٰہی کے بارے میں یہ نہیں کہا اللہ کی عبادت کرو کہ وہ تمھارا محبوب ہے بلکہ فرمایا کہ اللہ کی عبادت کرو، یہ سیدھی راہ ہے۔ کیونکہ بسا اوقات انسان محبوب کی محبت کا دم بھرتا ہے مگر اس کی اطاعت کی پروا نہیں کرتا، اس لیے فرمایا کہ سیدھی راہ پر چلنا ہے تو اللہ کی عبادت کرو، یہی راہِ راست ہے۔ اس کے سوا جس کی عبادت ہے وہ گمراہی ہے اور شیطان کی عبادت ہے۔

"عبادت" کے معنی انتہائی تذلل، عاجزی اور محبت کا اظہار ہے، چنانچہ جب فرمایا کہ ﴿لَا تَعۡبُدُوا الشَّيۡطٰنَ﴾ تو گویا اس میں اشارہ ہے کہ شیطان کے سامنے انکساری وعاجزی کا اظہار نہ کرو۔ اپنے دشمن کے سامنے جھکنا، تذلل اور عاجزی کا اظہار کرنا مردانگی نہیں بزدلی ہے۔ بلکہ اپنی عاجزی کا اظہار ربّ العالمین کے سامنے کروں، اسی میں تمھاری عزت ہے اور اسی میں تمھارا وقار ہے۔

درسِ حدیث

غنية القاري بترجمة ثلاثيات البخاري

تالیف: إمام المفسرين، زبدة المحدثين
محي السنة نواب والا جاه صديق الحسن خان رحمه الله

تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید حفظہ اللہ

سند عالی کے حصول کی غرض سے محدثین کرام ایسی اسانید کی تلاش میں رہتے تھے جس میں کم سے کم راوی ہوں، اس لیے ایسی احادیث کو جمع کیا جاتا جس میں راویوں کی تعداد قلیل ہو، یعنی محدث اور نبی ﷺ میں واسطے کم ہوں اور ان کو ثلاثیات کہا جاتا ہے جس میں ایسی احادیث جمع کی گئی ہوں جس میں راوی اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان صرف تین راوی ہوں (یا تین واسطے ہوں)، ان کو اصطلاح میں ثلاثیات کہا جاتا ہے۔

صحاح ستہ میں سے صحیح بخاری، جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان میں ثلاثیات موجود ہیں۔

صحیح بخاری میں ثلاثی روایات، یعنی تین واسطے کی احادیث ۲۲ ہیں۔ جامع ترمذی میں فقط ایک ثلاثی حدیث ہے جو کتاب الفتن میں ہے۔

سنن ابن ماجہ میں ثلاثی الاسناد احادیث کی تعداد پانچ ہے: تین ثلاثیات کتاب الاطعمۃ میں، ایک کتاب الزہد اور ایک کتاب الطب میں۔

اس کے علاوہ مسند احمد بن حنبل میں ثلاثی الاسناد احادیث کی تعداد ۳۳۷ ہے۔ مسند احمد کی ثلاثیات پر بہت سے محدثین نے شروحات تحریر فرمائی ہیں۔ دعا فرمائیں ثلاثیات مسند احمد کے ترجمے کی اللہ تعالیٰ توفیق عنایت فرمائے، آمین۔

علامہ محدث مبارک پوری رحمہ اللہ کتاب الحطہ کے حوالے سے ذکر فرماتے ہیں کہ سنن دارمی کی ثلاثیات صحیح بخاری کی ثلاثیات سے زیادہ ہیں۔ صاحبِ ''کشف الظنون'' فرماتے ہیں کہ سنن دارمی میں ۱۵ عدد ثلاثی احادیث ہیں۔ ثلاثیات سنن دارمی پر ایک الگ کتاب بھی لکھی گئی ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری مقدمہ تحفۃ الاحوذی کے صفحہ ۹ پر لکھتے ہیں: ''اس دور کے بعض جاہلوں کا گمان ہے کہ احادیث نہ تو عہد نبوی میں لکھی گئیں، نہ عہد صحابہ میں بلکہ تابعین کے عہد میں لکھی اور جمع کی گئیں۔ میں (مولانا مبارک پوری) کہتا ہوں کہ جاہلوں کا یہ گمان فاسد ہے اور حقیقت حال سے عدمِ واقفیت کی بنا پر یہ کہا جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد (ہمام بن منبہ) نے ان سے سن کر جو احادیث لکھیں وہ صحیفہ ہمام بن منبہ کے نام سے مشہور ہیں اور اسی نام سے شائع ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات ۵۹ ھ میں ہوئی، اس کا مطلب ہے اسے اس سے قبل نقل کیا گیا تھا۔ پہلی صدی کے وسط میں یہ تمام احادیث حضرت ابوہریرہ کی سند سے ضبطِ تحریر میں آ گئی تھیں۔ اور اسی طرح بہت سے صحابہ کرام آپ ﷺ کے ارشادات کو باقاعدہ لکھتے تھے اور اس سلسلے میں آپ کی اجازت کی بیسیوں روایات تاریخ الحدیث میں ملتی ہیں۔ سب سے بڑی حدیث خطبہ حجۃ الوداع، جو انسانی تاریخ میں بنیادی حقوق کی سب سے اوّلین اور اہم ترین آئینی اور دستوری دستاویز ہے، اسے بیان کرنے کے بعد آپ نے فرمایا: ((فيبلغ الشاهد الغائب.)) ''جو موجود ہیں وہ غیر موجود لوگوں تک یہ پیغام پہنچا دیں۔'' (العبد المذنب محمد أشرف سعيد غفر الله له ولوالدين)

بعد حمدِ خدا ونعتِ مصطفیٰ ﷺ وآل واصحاب مقتدیٰ واضح ہو کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی ان احادیث کا یہ ترجمہ ہے جس میں امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ سے رسول اللہ ﷺ تک فقط تین راوی ہیں۔ یہ سب بائیس احادیث ہیں: چھ ربع اوّل میں، سات ربع ثانی میں،

پانچ ربع ثالث میں، چار ربع رابع میں۔ اور چھ ان میں مکرر ہیں ی ایک تو سادس (۶)، دوسری ثامن (۸)، تیسری سادس عشر (۱۶)، چوتھی سابع عشر (۱۷)، پانچویں عشرون (۲۰)، چھٹی حادی عشر (۱۱)۔ اس لیے کہ مضمون سادس اور خامس کا اور ثامن اور رابع کا اور سادس عشر اور عاشر کا اور سابع عشر اور تاسع کا اور عشرین اور عاشر کا اور حادی عشرین اور حادی عشر کا ایک ہے اور یہ ثلاثیات صحیح ترین اسناد اور فصیح ترین ہیں۔ الفاظ میں اور بیان میں احسن ہیں۔ اور اس ترجمے کا نام "غنية القاري بترجمة ثلاثيات بخاري" ہے۔

---

❶ ......پہلی ثلاثی حدیث جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے ربع اوّل، کتاب العلم، باب من کذب علی النبی ﷺ (جس نے نبی اکرم ﷺ پر جھوٹ باندھا)، حدیث رقم: ۱۰۹ میں ذکر کیا ہے:

کہا امام بخاری نے: حدیث بیان کی ہم کو مکی بن ابراہیم نے اور کہا مکی نے: حدیث بیان کی ہم کو یزید بن ابی عبید نے اور یزید بن ابی عبید نے سلمہ بن اکوع سے روایت بیان کی، انھوں نے کہا: میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا: "جو کوئی جھوٹ باندھے مجھ پر (میری طرف ایسی بات کی نسبت کرے) جو میں نے نہیں کی وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے۔"

مکی نام ہے، نسبت نہیں۔ کنیت ان کی ابوالسکن ہے۔ یہ امام بخاری کے بڑے شیوخ میں سے ہیں۔ انھوں نے ساٹھ حج کیے اور ساٹھ نکاح کیے اور دس سال بیت اللہ مکہ معظّمہ کے مجاور رہے اور سترہ تابعین سے روایت کی۔ احمد بن حنبل اور عبد بن حمید ان کے شاگرد ہیں اور باقی اصحابِ کتبِ ستہ بھی ان سے روایت کرتے ہیں۔ بغداد میں دوسو پندرہ ہجری (۲۱۵ھ) نوے سال کی عمر میں وفات پائی۔

اور یزید کی کنیت ابوخالد ہے۔ ذی مرتبہ، جلیل القدر اوساط تابعین میں سے ہیں۔ ایک سو چھیالیس یا ایک سو پینتالیس سال کی عمر میں وفات پائی۔

ابوسلمہ کی کنیت ابومسلم یا ابوایاس یا ابوعامر ہے۔ آپ کو بیعتِ رضوان میں شرکت کی سعادت حاصل ہے۔ تین مرتبہ بیعت کی: پہلے گروہ، دوسرے گروہ اور تیسرے گروہ کے ساتھ۔ اور ستر احادیث رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہیں۔ امام بخاری نے ان کی اکیس احادیث اپنی صحیح میں لکھی ہیں۔ یہ بڑے بہادر شہسوار تھے۔

وہ بیان کرتے ہیں: میں نے ایک بھیڑیے کو دیکھا کہ اس نے ایک ہرنی کو پکڑا ہے۔ میں نے بھیڑیے سے ہرنی کو چھڑا لیا۔ بھیڑیا کہنے لگا: تم پر افسوس ہے، یہ رزق مجھے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، یہ تیرا مال نہیں ہے جو تُو نے مجھ سے چھڑایا ہے۔ اس وقت ابوسلمہ کہنے لگے: بڑے تعجب کی بات ہے، بھیڑیا بھی باتیں کرتا ہے۔ بھیڑیا کہنے لگا: یہ بھی کوئی تعجب کی بات ہے۔ تعجب تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ تم کو اللہ کی طرف بلاتے ہیں اور تم بتوں کی طرف جاتے ہو۔ ابوسلمہ کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، تمام ماجرا بیان کیا اور اسلام قبول کر لیا۔ حضرت ابوسلمہ نے ۷۷ ہجری میں اسّی سال کی عمر میں وفات پائی رضی اللہ عنہ۔

فائدہ: اس حدیث میں مفتری (جھوٹے) کی سزا بیان فرمائی ہے اور جھوٹ باندھنے سے ڈرایا ہے، خواہ یہ جھوٹ رغبت یا دہشت دلانے کے لیے ہو۔ امام محمد جوینی والد امام الحرمین نے ایسے مفتری (جھوٹ بیان کرنے والے) کو کفر میں داخل کیا ہے اور اس کا خون حلال قرار دیا ہے اور اس پر دوزخ میں ہمیشہ رہنے کا حکم لگایا ہے۔ اور صحیح بات یہی ہے کہ حدیث کا وضع کرنا اور اس کا رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنا حرام ہے۔

وضع حدیث کے سات (۷) احکام ہیں۔ فضائل اعمال میں اور ترغیب وترہیب میں جن لوگوں نے حدیثیں وضع کی ہیں انھوں نے بہت بڑی خطا کی ہے بلکہ ایک صحابہ اور تابعین میں سے ایک جماعت نہیں زیادہ حدیثیں بیان کرنے کو اس ڈر کی وجہ سے مکروہ جانا ہے کہ کہیں رسول اللہ ﷺ کے کلام میں کمی بیشی واقع نہ ہو جائے۔ کیا حال ہوگا ان لوگوں کا جو حدیثیں وضع کرتے ہیں یا اس کی روایت کرتے ہیں۔ (باقی حصہ صفحہ نمبر ۱۸ پر ملاحظہ کریں)

افتاء

پوتیوں کا وراثت میں حصہ

اور پوتیوں کے نام کی گئی ثلث سے زیادہ وصیت کی تبدیلی کا حکم؟

مولانا مفتی محمد عبید اللہ خاں عفیف حفظہ اللہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے میں کہ میرے والد بشیر احمد ولد عبدالحق کے دو بیٹے تھے: اقبال ظفر، جاوید اقبال اور ایک بیٹی تھی۔ لیکن ہمارے والد کی زندگی میں میرا چھوٹا بھائی جاوید اقبال ۱۵/ستمبر ۲۰۰۳ء کو فوت ہوگیا اور اس نے اپنے پیچھے چار بیٹیاں اور ایک بیوہ چھوڑی، جب کہ ان کا کوئی لڑکا نہیں تھا۔ ہمارے والد بشیر احمد ولد عبدالحق نے اپنی زندگی میں اپنی جائیداد، جس کا رقبہ ساڑھے بارہ ایکڑ تھا، میں سے پانچ ایکڑ زمین اپنی چار پوتیوں کے نام منتقل کروا دی اور پھر انھیں وصیت کی کہ آپ کو حصہ دینے کے بعد اب یہ زمین، یعنی ساڑھے سات ایکڑ باقی ماندہ تمھارے تایا ظفر اقبال اور تمھاری پھوپھی کی ہے۔ زمین ہمارے والد کے نام ہی رہی اور ہمارے والد بشیر احمد ولد عبدالحق کا ۲/ مارچ ۲۰۱۲ء میں انتقال ہوگیا اور انھوں نے اپنے ورثاء میں ایک بیٹا ظفر اقبال، ایک بیٹی، ایک بیوہ اور چار پوتیاں چھوڑی ہیں۔ آپ سے التماس ہے کہ کتاب وسنت کی روشنی میں ہماری راہنمائی کریں کہ ہمارے والد کی وراثت کس طرح تقسیم ہوگی؟ کیا پوتیوں کو دادا کی وراثت سے حصہ ملے گا یا نہیں؟

(اقبال ظفر، نثار کالونی، فیصل آباد)

جواب: الجواب بعون الوہاب ومنہ الصدق والصواب. بہ شرط صحت سوال۔ اسلامی قانونِ وراثت کے مطابق بیٹے اور بیٹیوں کی موجودگی میں جمہور علمائے اسلام کے مطابق پوتے اور پوتیاں بالاتفاق محروم الارث ہیں، تاہم اگر کوئی دادا بقائم ہوش وحواس بیٹوں اور بیٹیوں کو نقصان پہنچانے کی نیت کے بغیر اپنی مرضی سے بلا اِکراہِ غیرے اگر اپنے پوتے یا پوتی کو اپنی جائیداد کا تہائی حصہ بہ طور وصیت دینا چاہے تو وہ اس کا مجاز ہے، جیسا کہ درج ذیل صحیح حدیث سے ثابت ہے:

"عن عمران بن حصين أن رجلا أعتق ستة مملوكين له عند موته لم يكن له مال غيرهم فدعاء بهم رسول الله ﷺ فجزأهم أثلاثا ثم أقرع بينهم فأعتق اثنتين وأرق أربعة وقال قولا شديدا." رواه مسلم ورواه النسائي وذكر بعد: ((هممت أن لا أصلي عليه.)) وفي رواية أبي داود وقال: ((لو شهدت قبل أن يدفن لم يدفن في مقابر المسلمين.))

(مشكاة: ۱/ ۳۰۶)

''ایک آدمی نے اپنی موت کے وقت اپنے چھ غلام آزاد کر ڈالے جب کہ اس کی ساری پونجی وہی غلام ہی تھے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو تین جوڑے بنا کر ان میں قرعہ ڈالا۔ جن دو کے حق میں قرعہ نکلا ان کو آزاد کردیا اور باقی چاروں کو غلام قرار دیا۔ اور اس آدمی پر ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ حتی کہ اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کا مستحق نہیں ٹھہرایا۔''

اس صحیح حدیث سے واضح ہوا کہ مالک جائداد بقائم ہوش وحواس بلا اِکراہ اپنی آزاد مرضی سے جب کہ اس کی نیت میں اپنے شرعی ورثاء کو نقصان پہنچانا مقصود نہ ہو تو وہ شرعاً غیر وارث پوتے وغیرہ کے حق

میں زیادہ سے زیادہ اپنے مال میں سے ایک تہائی ⅓ مال کی وصیت کر سکتا ہے، لہٰذا آپ کے والد بشیر احمد صاحب اپنی غیر وارث پوتیوں کے حق میں اپنی جائداد کی ایک تہائی کی وصیت کرنے کے مجاز تھے۔ اگر ایک چوتھائی کی وصیت کرتے یا ان کے نام منتقل کرتے تو اور زیادہ بہتر تھا، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"لو غض الناس إلى الربع (لكان حسنا) لأن رسول الله قال: ((الثلث كبير)) أو ((كثير.))

(صحيح البخاري: ۳۸۳)

''اگر وصیت کرنے والے تہائی سے کم ایک چوتھائی کی وصیت کیا کریں تو یہ ورثاء کے حق میں بہتر ہوگا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کل جائیداد کی ایک تہائی کی وصیت کو زیادہ قرار دیا ہے۔''

اگر بشیر احمد صاحب نے ½ ۱۲ ایکڑ اراضی میں سے ایک تہائی پوتیوں کے نام منتقل کی ہوتی تو ان کا یہ اقدام درست تھا۔ لیکن ان کی یہ کارروائی ایک تہائی سے زیادہ ہے کیونکہ ایک تہائی ۶-۱-۴ (چار ایکڑ ایک کنال اور چھ مرلے) بنتی ہے جب کہ انھوں نے پانچ ایکڑ اراضی اپنی پوتیوں کے نام کر ڈالی ہے، لہٰذا چھ کنال چودہ مرلے اراضی ایک تہائی رقبہ سے زائد ہے۔ لہٰذا ظفر اقبال، ان کی ہمشیرہ اور مرحوم کی بیوہ اس زائد رقبے کو واگزار کرانے کے شرعاً حق دار ہیں۔ کیونکہ مرحوم کی یہ وصیت گناہ اور زیادتی پر مبنی ہے، لہٰذا اس کی اصلاح شرعاً ضروری ہے۔ قرآن میں ہے:

﴿فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [البقرة: ۱۸۲]

''پھر جس کسی کو وصیت کرنے والے کی خطا یا عمداً اس کا قصور معلوم ہوا اور وہ ان (وارثوں اور موصیٰ لہ) میں اصلاح کردے تو وصیت بدلنے کا کوئی گناہ نہیں۔''

لہٰذا پوتیوں کے نام پر منتقل رقبے میں سے چھ کنال اور چودہ مرلے رقبہ اور باقی ماندہ ساڑھے سات ایکڑ جو آٹھ ایکڑ دو کنال اور چودہ مرلے بنتا ہے اس میں سے اس کی بیوہ کو ⅛ حصہ ملے گا اور باقی ماندہ رقبہ ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ [النساء: ۱۱] ''مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔'' اور پوتیاں محروم رہیں گی، جیسا کہ صحیح بخاری کتاب الفرائض میں ہے:

"باب ميراث ابن الابن إذا لم يكن ابن، قال: زيد ولد الأبناء بمنزلة الولد إذا لم يكن دونهم ولد ...... ولا يرث ولد الابن مع الابن."

یعنی پوتے کی وراثت کا بیان جب کہ بیٹا زندہ نہ ہو۔ (علم میراث کے ماہر صحابی) حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں: بیٹوں کی اولاد بیٹوں کے قائم مقام ہوتی ہے جب دادے اور پوتے کے درمیان بیٹا زندہ موجود نہ ہو۔ بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتا شرعاً وارث نہیں ہوتا۔

امام بخاری بہ طور دلیل یہ حدیث لاتے ہیں:

"عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: ((ألحقوا الفرائض بأهلها فما بقي فهو لأولى رجل ذكر.)) (صحيح البخاري: ۲/ ۹۹۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شرعی حصہ داروں کو ان کے حصے ادا کرو۔ بعد ازاں جو بچ جائے تو وہ اس مرد کا حق ہے جو مورث کے زیادہ قریب ہے۔''

اور ظاہر ہے کہ وہ بیٹا ہے پوتا نہیں، لہٰذا بیٹے کی موجودگی میں پوتا محروم الارث ہے۔ پس صورتِ مسئولہ میں پوتیاں دادے کی متروکہ جائیداد میں قطعاً حصہ دار نہیں۔ مفتی کسی قانونی سقم کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔

هذا ما عندي والله تعالى أعلم بالصواب وإليه المرجع والمآب في يوم الحساب.



تذکارِ سلف

اخلاقِ نبوی کا ایک عظیم الشان مظہر

محدثین کرام کے فضائل اخلاق کی ایک تصویر

مولانا عبدالسلام ندوی

عالم زماتہی وزا فغاں ما پُر است
شد عندلیب خاک و چمن از نوا پُر است

مادیت دنیا کو مختلف مناظر دکھا دکھا کر اپنا فریفتہ بناتی رہتی ہے۔ صبح ہونے کے ساتھ آسمان اپنے ہاتھ میں ایک جامِ زرنگار لے کر نمایاں ہوتا ہے اور تمام دنیا کو مخمور کر جاتا ہے۔ شام ہوتی ہے تو شفق کی ارغوانی شراب اس جام کو لبریز کر دیتی ہے اور دنیا نشے میں چور ہو کر سرمست بادۂ خواب ہو جاتی ہے۔ بہار آتی ہے تو قوتِ نمو کبھی سبزہ زار کی صورت میں زمین پر چھا جاتی ہے، کبھی سرد صنوبر کی شکل میں کنگرۂ فلک سے ٹکرلڑانا چاہتی ہے اور کبھی پھولوں کے قالب میں تمام فضا کو محیط ہو جاتی ہے۔ غرض دن نہیں نکلتا بلکہ مادیت نئے آن بان سے نکلتی ہے۔ شام نہیں آتی بلکہ مادیت عروسِ نو بن کر ہمارے سامنے آتی ہے۔ موسم نہیں بدلتے بلکہ مادیت اپنے نئے نئے لباس بدل کر ہمارے سامنے نمایاں ہوتی ہے۔ لیکن کیا ان میں ایک چیز بھی اپنی قوتِ جذب وکشش کو ہمیشہ قائم رکھ سکتی ہے؟ کیا آفتاب ہمیشہ چمکتا رہتا ہے؟ کیا شفق ہمیشہ پھولی رہتی ہے؟ کیا سبزہ ہمیشہ لہلہاتا رہتا ہے؟ کیا سرد صنوبر کی گردن ہمیشہ بلند رہتی ہے؟ کیا پھول ہمیشہ شاداب رہتے ہیں؟ یقیناً نہیں رہتے اور اگر یہ ظاہر فریب نظارہ ہمیشہ کے لیے قائم نہیں رہتا تو ہم کو مادیت کے دائرے سے آگے بڑھ کر اس عالم قدسی میں قدم رکھنا چاہیے جس کی نسبت ایک نکتہ دانِ فطرت نے کہا تھا ؎

ایک بالا تر ازیں جملہ جہانے دگر است
کاندراں کالبد دیگر جانے دگر است

یہی وہ عالم ہے جس کا سورج کبھی نہیں ڈوبتا اور یہی وہ باغ ہے جس کی بہار پر کبھی خزاں نہیں آتی اور یہی وہ دنیا ہے جو کبھی قالب بے روح نہیں ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی عالم میں زندگی بسر فرمائی تھی، اس لیے آپ ﷺ کا روحانی اثر ہمیشہ قائم رہا اور ہمیشہ قائم رہے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی اسی آفتابِ عالم تاب کا پرتو تھی اور محدثین کرام کو اسی مسیحا نفس کے کلماتِ طیبہ نے زندگی بخشی تھی۔ صحابہ کرام نے آپ ﷺ کے خلق عظیم کو اپنی عملی طاقت سے زندہ رکھا تھا۔ لیکن تابعین، تبع تابعین اور محدثین کرام کی زندگی بھی نہایت وسعت کے ساتھ آپ ﷺ کی تعلیمات وتلقینات کے عملی آثار ونتائج کو نمایاں کر سکتی ہے، اس لیے ہم نے اپنے مطالعہ کے مصروف اوقات میں ان بزرگوں کے فضائل اخلاق کا بھی ؏

دیکھا جہاں کہیں کوئی ٹکڑا اُٹھا لیا

اور آج اپنے ان لخت ہائے جگر کو وقف عام کرنا چاہتے ہیں کہ ؏

من قاش فروشِ دل صد پارہ فریفتم

تمام محققین یورپ نے تسلیم کیا ہے کہ دنیا کی کسی قوم نے اپنے پیغمبر کی روایات کو اس صداقت، اس دیانت، اس محنت اور اس جامعیت کے ساتھ محفوظ نہیں رکھا جس کی مثال مسلمانوں کے علمِ حدیث کے ہر صفحے سے مل سکتی ہے۔ لیکن کیا محدثین کرام کے فضائل اخلاق کے سوا اور کسی چیز نے مسلمانوں کو اس فخر کا موقع دیا ہے؟ دنیا میں اور بھی بہت سے علوم وفنون پھیلے لیکن کوئی بھی دنیوی مقاصد سے خالی نہ تھا اور اس لیے اُن کے اثر سے آزاد بھی نہ تھا۔ صرف ایک علمِ حدیث ہے جس کا مقصد مذہب اور اخلاق کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا تھا

اور مسلمانوں کو فخر ہے کہ محدثین کرام کی اخلاقی طاقت نے اس مقصد جلیل کو ہمیشہ قائم رکھا۔

استغناء وقناعت:

محدثین کرام نہایت عسرت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ امام ابراہیم بن ابی طالب کا ذریعہ معاش صرف ایک دکان کا کرایہ تھا جس کی مقدار ۱۹ درہم ماہوار تھی۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۱۹۴)

امام محمود بن علی بن میمون اُجرت پر کتابت کر کے وجہ معاش حاصل کرتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۱۹۷)

امام ابن سکرہ کا گزر اوقات معمولی تجارت پر تھا جس کو وہ چند دوستوں کی شرکت میں کرتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۲۷۵)

امام محمد حسین بن مسعود کے باپ پوستین بناتے تھے اور اس کو بیچ کر وجہ معاش پیدا کرتے تھے۔ اس حالت میں وہ اس قناعت کے ساتھ زندگی بسر فرماتے تھے کہ صرف روٹی کا ایک ٹکڑا کھا کر رہ جاتے تھے۔ لوگوں نے اس پر ملامت کی تو زیتون کے تیل کا اور اضافہ کر لیا۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۲۳۶)

اس بنا پر اگر محدثین کرام کے ہاتھ کو زہد واستغنا نے نہ روکا ہوتا تو وہ نہایت آسانی کے ساتھ دست سوال بن سکتا تھا۔ لیکن بایں ہمہ قناعت وبے نیازی نے اُن کے ہاتھ کو کبھی اُمراء وسلاطین کے دامن کرم کی طرف بڑھنے نہ دیا۔

اسلام میں اکثر علوم وفنون نے اُمراء وسلاطین کی شاہانہ فیاضیوں کے بل پر ترقی کی ہے۔ مامون نے فلسفے کا ترجمہ کروایا تو جس کاغذ پر ترجمہ کیا جاتا تھا اُس کے برابر تول کے سونا دیتا تھا، اس لیے بہت سے لوگ دبیز کاغذ پر ترجمہ کرتے تھے کہ معاوضہ زیادہ ہاتھ آئے۔ لیکن محدثین کرام کے استغناء نے درہم ودینار کو ہمیشہ اپنے دامن کا بدنما داغ سمجھا اور اگر کسی محدث نے اس زریں اخلاقی اصول کی خلاف ورزی کی تو اس کے لیے یہ سخت ننگ وعار کا موجب خیال کیا گیا۔ امام حارث بن محمد چونکہ نہایت تنگ دست وکثیر العیال تھے، اس لیے اُن کو مجبوراً روایت حدیث پر مالی معاوضہ لینا پڑتا تھا۔ لیکن بایں ہمہ مجبوری دارقطنی نے اُن کی توثیق کی تو ان الفاظ میں اس کا دفع دخل کیا:

"وأما أخذه الدراهم على روايته فكان فقرا كثير البنات." (تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۱۱۴)

"لیکن وہ روایت پر اس لیے درہم لیتے تھے کہ وہ محتاج تھے اور اُن کی بہت سی لڑکیاں تھیں۔"

اسی مجبوری کی وجہ سے علی بن عبدالعزیز بھی اس ننگ کو گوارا کرتے تھے اور لوگوں کی ملامت سہتے تھے۔ نسائی نے اسی عیب کی بنا پر ان کو ناپسند کیا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۱۹۷)

ابویعلی موصلی اور حسن بن سفیان دونوں بڑے پایہ کے محدث تھے لیکن ابوعمرو الحیری نے ایک موقع پر ابویعلی کو حسن پر ترجیح دی۔ لوگوں نے کہا یہ کیونکر ہوسکتا ہے۔ حسن کا مُسند اُن سے بڑا ہے اور اُن کے شیوخ اعلیٰ درجے کے ہیں۔ کہنے لگے: اس کی وجہ یہ ہے کہ ابویعلی خالصتاً لوجہ اللہ روایت کرتے تھے اور حسن نے اس کو ذریعۂ معاش بنا لیا تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۲۷۵)

اس قسم کی حرص وطمع کا مرکز صرف اُمراء وسلاطین کا دربار ہوسکتا تھا، اس لیے محدثین نے اس گروہ کے تقرب ہی کو ناجائز قرار دیا۔ عمر بن حاجب نے جن اسباب کی بنا پر محدث بکریؒ کی تضعیف کی ہے ان میں ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ امراء کے یہاں جاتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۴/ ۲۲۶)

اس تشدد والتزام کی بنا پر محدثین کرام کے سوانح زندگی میں زہد واستغناء کی نہایت روشن مثالیں نظر آتی ہیں۔ علج بن احمد ایک نہایت دولت مند محدث تھے۔ انھوں نے ایک بار ابن حبویہ کو گھر میں بلایا اور اشرفیوں کے توڑے دکھا کر کہا کہ جس قدر جی چاہے لے لو۔ اُنھوں نے شکر گزاری کے ساتھ انکار کر دیا۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۹۸)

ابن حاصی نے حافظ ابوعمر الزاہد کے مصارف ضروریہ اپنے ذمہ لیے تھے اور برابر اُن کے یہاں بھیجتا رہتا تھا۔ ایک بار کچھ دنوں کے لیے یہ رقم بند کر دی لیکن بعد میں کل رقم ایک ساتھ بھیجی اور اس تعویق

(تاخیر) پر معذرت کی۔ اُنھوں نے اس کو واپس کر دیا اور خط کی پشت پر لکھوا دیا کہ آپ پہلے ہماری عزت فرماتے تھے تو ہم اس رقم کے مالک ہوجاتے۔ اس کے بعد جب آپ نے اپنی توجہ ہٹا لی تو ہم کو اس دردسر سے نجات حاصل ہوئی۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۹۰)

ایک بار خطیب بغدادی جامع صوریہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک علوی آیا۔ اس کی آستینوں میں اشرفیاں بھری ہوئی تھیں۔ دکھا کر اس نے خطیب بغدادی سے کہا کہ ان کو اپنی ضروریات میں صرف فرمایئے۔ خطیب نے نہایت ہی ترشی سے کہا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ بولا کہ شاید آپ اس کو کم سمجھتے ہیں۔ اور یہ کہہ کر اُن کے مصلیٰ پر آستین جھاڑ دی اور کہا کہ یہ تین ہزار اشرفیاں ہیں۔ خطیب نے مصلیٰ جھاڑا اور سر کھجلا کر چلے گئے۔ علوی اپنا سا منھ لے کر رہ گیا۔

(تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۳۳۳)

ایک بار سفاح مدینہ میں آیا اور ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن کو کچھ مال دینا چاہا لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔

(تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۱۴۲)

ایک بار قاسم بن عمیرہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس آئے۔ اُن پر ۷۰ دینار کا قرض آتا تھا۔ انھوں نے ان کی جانب سے ادا کر دیا۔ اُن کی سواری کے لیے ایک خچر دیا اور ان کا پچاس دینار یا درہم وظیفہ مقرر کر دیا۔ اُنھوں نے سپاس گزاری کے لہجے میں کہا کہ آپ نے مجھ کو اب تجارت سے بے نیاز کر دیا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ایک حدیث پوچھی تو قاسم بولے کہ اے امیر المومنین! معاف فرمایئے۔ راوی کا بیان ہے کہ انھوں نے اس طریقے سے حدیث کی روایت کو پسند نہیں کیا۔

(تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۱۰۹)

ایک بار قبیصہ بن عقبہ کے یہاں دلف بن امیر ابی دلف حشم وخدم کے ساتھ آیا اور دروازے پر ٹھہر گیا۔ ان کے نکلنے میں دیر ہوئی تو خدام نے جا کر کہا کہ بادشاہ کا لڑکا دروازے پر کھڑا ہے اور آپ نہیں نکلتے! انھوں نے دامن میں روٹی کا ایک ٹکڑا رکھا اور نکل کر کہا: جو اس پر قانع ہوگیا اُس کو بادشاہ کے لڑکے سے کیا غرض۔ خدا کی قسم! میں اس کے سامنے حدیث نہ بیان کروں گا۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۳۴۳)

مشہور وزیر جعفر بن یحییٰ برمکی کی فیاضیوں نے ایک دنیا کو غلام بنا لیا تھا لیکن صرف محدثین کا گروہ اس شکنجے سے آزاد تھا۔ ایک بار اُس نے عیسیٰ بن یونس کو ایک لاکھ درہم دینا چاہا لیکن انھوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ اہل علم طعنہ دیں گے کہ میں نے حدیث کی قیمت لی ہے۔

(تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۲۵۵)

ایک بار مامون الرشید نے کوفہ میں تمام محدثین کو بلایا۔ عبداللہ بن ادریس اور عیسیٰ بن یونس کے سوا تمام لوگ آئے اور اُس کے سامنے حدیثیں بیان کیں۔ اب مامون اور امین خود ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان بزرگوں نے ان کے سامنے روایت حدیث کی۔ مامون نے عیسیٰ بن یونس کو دس ہزار کی رقم دینا چاہی لیکن انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۲۵۶)

ایک بار امیر طاہر نے حافظ محمد بن رافع کی خدمت میں پانچ ہزار کی رقم بھیجی لیکن انھوں نے قبول نہ کی۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۹۳)

ایک بار خلیفہ مکتفی باللہ نے ایک کتاب کی صورت میں تمام علماء کے اقوال کو جمع کرنا چاہا۔ اس غرض کے لیے لوگوں نے امام محمد بن جریر طبری کا انتخاب کیا۔ وہ آئے اور اس کے متعلق ایک کتاب املا کروائی۔ ان کو اس پر صلہ دیا گیا تو انکار کر دیا۔ لوگوں نے کہا: آخر ضروریات کے لیے کوئی صورت تو ہونی چاہیے۔ بولے: ''میں امیر المومنین سے درخواست کروں گا کہ جمعہ کے دن سوال کرنے کی عام ممانعت کر دیں۔'' اسی طرح اُن سے ایک وزیر نے فقہ میں ایک کتاب تالیف کرائی اور ایک ہزار دینار اس کے صلے میں دیا لیکن انھوں نے واپس کر دیا۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۲۷۸)

صرف ان صلات وجائزات کی تخصیص نہیں بلکہ محدثین کرام عموماً مذہبی خدمات پر کسی قسم کا معاوضہ لینا پسند نہیں کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبل نے صیغۂ قضاء سے کبھی وظیفہ نہیں لیا۔

(تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۱۷)

بلکہ بعض محدثین تو خود اس خدمت کو قبول نہیں کرتے تھے۔ ایک بار امام محمد بن جریر طبری کی خدمت میں یہ عہدہ پیش کیا گیا تو انھوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

(تذکرة الحفاظ : ۲/ ۲۷۹)

غرض محدثین کی زندگی کا خالص مقصد اشاعتِ علم اور اشاعتِ مذہب تھا اور اس کو کسی قسم کی دنیوی آلائش سے آلودہ ومخلوط نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ایک بار ابونصر سجزی کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی اور ایک ہزار اشرفیاں پیش کرکے نکاح کی درخواست کی اور کہا: مجھے درحقیقت نکاح کی ضرورت نہیں ہے۔ اس حیلے سے صرف آپ کی خدمت کرنا چاہتی ہوں۔ انھوں نے کہا: اشرفیاں اٹھا لو اور چلی جاؤ۔ وہ واپس گئی تو کہا کہ میں سجستان سے صرف تحصیل علم کے لیے نکلا ہوں، اس لیے اگر نکاح کرلوں گا تو مجھ سے ''طالب العلم'' کا خطاب چھن جائے گا اور میں تحصیلِ علم کے ثواب پر کسی دوسری چیز کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ (تذکرة الحفاظ : ۳/ ۳۱۶)

ایک بار زکریا بن عربی کی آنکھیں آشوب کر آئیں۔ ایک شاگرد نے اُن کی خدمت میں سرمہ پیش کیا تو بولے: تم مجھ سے حدیث سنتے ہو؟ اُس نے اقرار کیا تو سرمہ واپس کر دیا۔

(تذکرة الحفاظ : ۳/ ۲۶۳)

ایک بار حسن بصری نے بازار میں کپڑا خریدنا چاہا۔ قیمت چکانے پر بزاز نے کہا کہ آپ کو اس قیمت پر دیتا ہوں۔ دوسرا ہوتا تو اس سے زیادہ لیتا۔ چونکہ یہ رعایت صرف اس بنا پر تھی کہ وہ بہت بڑے محدث تھے، اس لیے عمر بھر انھوں نے اس سے فائدہ اٹھانا پسند نہیں کیا، یعنی پھر کبھی بازار تشریف نہیں لے گئے۔ (مسند دارمي)

اس قناعت وبے نیازی کا اثر علمِ حدیث پر:

محدثین کرام کا یہ زہد واستغناء اگرچہ اخلاقی حیثیت سے تمام دنیا کے لیے اسوہ بن سکتا ہے لیکن اس کا اثر صرف اخلاق ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ اُن کا اصلی احسان یہ ہے کہ ان کی فردوارانہ بے نیازی نے علمِ حدیث کو کسی قسم کے دنیوی اثر سے متاثر نہیں ہونے دیا۔ یہود کے مذہب کو دنیوی حرص وطمع نے بالکل مسخ وبے اثر کر دیا۔ لیکن محدثین کرام نے مال ودولت کی وجہ سے مذہبی روایات کا ایک لفظ بھی اپنی جگہ سے ہٹنے نہیں دیا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی مذہبی روایات تمام دنیا سے زیادہ مؤثق وقابل اعتماد ہیں۔

حافظ ابراہیم بن طہمان کو بیت المال سے ماہوار وظیفہ ملتا تھا۔ ایک بار اُن سے خلیفہ کے دربار میں کوئی مسئلہ پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ میں نہیں جانتا۔ لوگ بولے کہ آپ ہر مہینے میں اس قدر وظیفہ لیتے ہیں اور ایک مسئلے کا صحیح جواب نہیں دے سکتے۔ وہ بولے:

''میں وظیفہ صرف اس غرض سے لیتا ہوں کہ صحیح مسئلہ بتا سکوں اور اگر غیر صحیح مسئلے پر میں وظیفہ لینا پسند کرتا تو اب تک بیت المال کا کل سرمایہ فنا ہو چکا ہوتا۔''

(تذکرة الحفاظ : ۱/ ۱۹۲)

علمِ حدیث کی صحت کا تمام تر دار ومدار جرح وتعدیل پر ہے۔ ایک بار قاضی معاذ بن معاذ نے عفان بن مسلم کو دس ہزار اشرفیاں اس غرض سے دیں کہ وہ ایک شخص پر جرح وتعدیل نہ کریں۔ انھوں نے انکار کر دیا اور کہا: ''میں حق کو باطل نہیں کرسکتا۔''

(تذکرة الحفاظ : ۱/ ۳۴۸)

ایک بار ابن مبارک کے پاس ایک ہاشمی حدیث سننے کے لیے آیا۔ انھوں نے انکار کیا۔ وہ واپس چلا تو ابن مبارک اُٹھے اور رکاب تھام کر اُس کو سوار کرایا۔ ہاشمی نے کہا: آپ میرے سامنے حدیث تو بیان نہیں کرتے اور میرا رکاب تھامتے ہیں! بولے: ''میں آپ کے سامنے خود تو ذلیل ہوسکتا ہوں لیکن حدیث کو ذلیل نہیں کرسکتا۔''

(تذکرة الحفاظ : ۱/ ۲۵۲)

مذہبی روایات کی بے حرمتی کی ابتدا سب سے پہلے اُمراء کے گروہ کی طرف سے ہوتی ہے، پھر اُن کے اثر سے یہ زہر تمام قوم کے رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے۔ لیکن محدثین کرام نے اُمراء کے سامنے کبھی فنِ حدیث کی بے حرمتی گوارا نہیں کی۔ ایک بار عبدالقاہر رہادی کے حلقۂ درس میں سلطانِ مصر آیا اور اپنے بھائی سے باتیں کرنا شروع

کردیں۔ انھوں نے ڈانٹا اور کہا: ''ہم علمِ حدیث کی تعلیم اس غرض سے نہیں دیتے کہ تم دونوں یہاں آکر باتیں کرو۔''
(تذکرۃ الحفاظ: ٤/ ٩٦)

اس بے نیازی کا اثر اشاعتِ حدیث پر:

احادیثِ نبوی کی حفاظت وصیانت کے ساتھ ساتھ محدثین کرام کے اس زہد واستغناء کا اثر اشاعتِ حدیث پر بھی نہایت وسعت کے ساتھ پڑا، جیسا کہ اوپر کے واقعات سے ثابت ہوا ہوگا۔ اس بے نیازی نے محدثین کی نگاہ میں مال ودولت کو بالکل بے حقیقت کردیا تھا۔ اس لیے ان کو جو کچھ ملتا تھا اس کو بے دریغ علمِ حدیث کی تدوین واشاعت میں صرف کرتے تھے۔ حافظ صالح بن احمد کی ملک میں صرف ایک چکّی تھی۔ انھوں نے املاء کرانا شروع کیا تو اس کو سات سو دینار میں فروخت کرڈالا اور اس رقم سے طلباء کے لیے تحریر وکتابت کا سامان فراہم کیا۔ (تذکرۃ الحفاظ: ٣/ ١٩٤)

حافظ ابن جوہری نے اپنی کل میراث فنِ حدیث کی جمع وترتیب میں صرف کردی۔ (تذکرۃ الحفاظ: ٤/ ٢٥٠)

حافظ ابوقاسم کو سلطنت کی طرف سے جو تنخواہ ملتی تھی اس میں سے ایک حبہ بھی اپنے اوپر صرف نہیں کرتے تھے بلکہ اس کو طلباء کے لیے وقف کردیا تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ: ٢/ ١٦١)

حافظ احمد بن مہدی نہایت دولت مند محدث تھے اور اپنی دولت کا بہت بڑا حصہ اہلِ علم پر صرف کرتے تھے، چنانچہ انھوں نے ان پر تین لاکھ درہم صرف کیا۔ (تذکرۃ الحفاظ: ٢/ ١٧٤)

دعلج بن محمد بھی نہایت دولت مند تھے اور مکہ میں اہلِ حدیث کے لیے بہت سی جائداد وقف کررکھی تھی۔ (تذکرۃ الحفاظ: ٣/ ٩٨)

متانت ووقار:

تمدن ایک دائمی حرکت کا نام ہے، اس لیے اس زمانے میں سنجیدگی ومتانت بالکل مفقود ہوگئی ہے اور اس کی جگہ تفریح اور لہو ولعب کے سامان نے لے لی ہے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ مذہبی، ملکی اور قومی مقاصد کے لیے شان دار جلسے کیے جاتے ہیں۔ قوم اور ملک کے تمام اکابر واعیان ان میں جمع ہوتے ہیں لیکن شور وغل کے سوا ان میں سکون واطمینان کی جھلک کہیں نظر نہیں آتی۔ مگر علمِ حدیث کے ادب واحترام نے محدثین کو متانت ووقار کا مجسمہ بنا دیا تھا، اس لیے ان کی مقدس صحبتوں میں کلماتِ طیبہ نبویہ کی صدائے بازگشت کے سوا اور کسی قسم کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ امام ابراہیم بن ابی طالب کے حلقۂ درس میں طلباء بہ مشکل چھینک سکتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ: ١٢/ ٢١٢)

حافظ عبداللہ بن موسیٰ کے متعلق عجلی کا بیان ہے کہ ان کو کسی نے کبھی ہنستے نہیں دیکھا۔ (تذکرۃ الحفاظ: ١/ ٣٢٤)

امام اسحاق بن سفیان ایک مرتبہ حدیث کی روایت کررہے تھے، سوءِ اتفاق سے ایک لڑکا ہنس پڑا۔ انھوں نے فوراً اس کو اپنے حلقۂ درس سے نکلوا دیا۔ (تذکرۃ الحفاظ: ١/ ٢٢٥)

یہ متانت اور وقار محدثین کا عام شعار تھا اور اگر کوئی محدث اس کے خلاف کوئی حرکت کرتا تھا تو اس پر سخت اعتراضات کیے جاتے تھے۔ امام ابوعبداللہ صوری فطرتاً ظریف الطبع اور خوش مزاج محدث تھے۔ ایک دن وہ عباس رازی کے سامنے پڑھ رہے تھے کہ ان کو کسی بات پر دفعتاً ہنسی آ گئی۔ اہل شہر کی ایک جماعت نے، جو وہاں موجود تھی، اس پر سخت اعتراض کیا اور کہا کہ یہ آپ کے شایانِ شان نہیں۔ آپ حدیثِ رسول اللہ ﷺ پڑھتے ہیں اور پھر ہنستے ہیں! ہمارے شہر کے شیوخ اس کو پسند نہیں کرتے۔ (تذکرۃ الحفاظ: ٣/ ٣١٢)

محدثین کرام کی اس متانت وسنجیدگی نے فنِ حدیث کی عزت ووقار کو قائم رکھا۔ آپ نے اوپر پڑھا کہ جب ایک بادشاہ نے ایک محدث کے حلقۂ درس میں باتیں کرنا شروع کیں تو انھوں نے اس کو کس طرح ڈانٹا۔

جرأت وآزادی:

مذہب وعلم، اخلاق اور سیاست کی بربادی کی تاریخ اگر مرتب کی جائے تو اس کا اصلی سبب علماء کی مداہنت قرار پائے گی۔ لیکن محدثین کرام کی غیر متزلزل اخلاقی جرأت نے ہمیشہ ان چیزوں کی محافظت کی۔ ان میں اُمراء وسلاطین کا گروہ نہایت مطلق العنان خیال کیا گیا

ہے لیکن محدثین کرام نے ہر موقع پر اس گروہ کی بے اعتدالیوں پر روک ٹوک کی اور قوت واقتدار کا خوف اور جاہ وجلال کا اثر ان کو اس سے نہ روک سکا۔

ایک بار امین نے کوئی ایسا فقرہ کہہ دیا جس سے بہ ظاہر معلوم ہوتا تھا کہ وہ خلق قرآن کا قائل ہے۔ حافظ اسماعیل بن عُلَیّہ کو خبر ہوئی تو اس کے دربار میں پہنچے۔ اس کو بُرا بھلا کہا اور اُس پر حملہ کرنا چاہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امین نے اس غلطی پر توبہ کی۔

(تذكرة الحفاظ: ١/ ٢٩٥)

ایک بار امام سفیان ثوری رحمہ اللہ مہدی کے پاس گئے اور کہا کہ عمر نے اپنے حج میں صرف بارہ درہم صرف کیے تھے اور تمھارا جو حال ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ مہدی نہایت برہم ہوا اور کہا کہ آپ چاہتے ہیں کہ میں بھی آپ کی طرح ہوجاؤں! بولے: اگر تم میری طرح ہونا پسند نہیں کرتے تو کم ازکم موجودہ حالت میں تو کمی کرسکتے ہو۔

(تذكرة الحفاظ: ١/ ١٥٨)

امام محی الدین نووی کا عام دستور یہ تھا کہ ہمیشہ بادشاہوں کے ظلم وعدوان پر روک ٹوک کرتے رہتے تھے اور خط کتابت کے ذریعے اُن کو رعایا کی طرف توجہ دلایا کرتے تھے۔

ایک بار شام کے لوگ قحط کی وجہ سے سخت مصیبت میں مبتلا ہوئے تو انھوں نے بادشاہِ وقت بدرالدین کو اس کی طرف توجہ دلائی۔ انھوں نے دارالعدل میں سلطانِ ظاہر پر اس کثرت سے داروگیر کی کہ خود وہ کہا کرتا تھا کہ میں اُن سے سخت گھبراتا ہوں۔

(تذكرة الحفاظ: ٤/ ٢٦٣)

امام عبدالغنی بن واحد نے اپنی زندگی کا مقصد صرف امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو قرار دیا تھا اور اس مذہبی خدمت کے انجام دینے میں سخت سے سخت خطرات کو برداشت کرتے تھے۔ ایک بار انھوں نے ایک شخص کی شراب زمین پر گرا دی۔ اس نے فوراً تلوار کھینچ لی لیکن وہ بالکل نہیں گھبرائے اور جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے تلوار چھین لی۔

ایک بار شاہی حکم سے باجا بج رہا تھا۔ انھوں نے دیکھا تو سب کچھ توڑ پھوڑ ڈالا۔ قاضی کو خبر ہوئی تو اُس نے بلایا کہ آکر ان چیزوں کے متعلق مناظرہ کرلیں۔ بولے: یہ باجے قطعاً حرام ہیں، میں خود نہ جاؤں گا، اگر قاضی کو ضرورت ہوتو خود آئے۔ چپڑاسی دوبارہ آیا اور کہا کہ آپ نے شاہی باجے کو بےکار کردیا ہے، آپ کو ضرور چلنا پڑے گا۔ بولے: ''اللہ بادشاہ اور قاضی دونوں کی گردن مارے۔'' بالآخر چپڑاسی واپس گیا اور پھر پلٹ کر نہ آیا۔

(تذكرة الحفاظ: ٤/ ١٧٠)

یہ آزادی محدثین کی عام امتیازی خصوصیت خیال کی جاتی تھی، اس لیے اگر اس گروہ میں کوئی شخص اس اخلاقی روش سے ہٹ جاتا تھا تو اس کے لیے یہ نہایت ننگ وعار کا موجب سمجھا جاتا تھا۔ علامہ ذہبی حافظ ابوبکر محمد اشبیلی کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

"تعلق بأذيال الملك ولم يجر مجرى العلماء في مجاهرة السلاطين وحربهم بل داهن."

(تذكرة الحفاظ: ٤/ ٩١)

''انھوں نے بادشاہوں کا دامن پکڑا ور تمام علماء کی طرح بادشاہوں کی آزادنہ روک ٹوک نہیں کی بلکہ مداہنت سے کام لیا۔''

لیکن محدثین میں یہ اخلاقی جرأت صرف زہد وقناعت نے پیدا کی تھی۔ اوپر گزر چکا ہے کہ قبیصہ بن عقبہ نے دامن میں روٹی کا ایک ٹکڑا رکھ کر کہا تھا کہ جو اس پر قانع ہو اُس کو بادشاہ کے لڑکے کی کیا پروا ہوسکتی ہے۔

سادہ زندگی:

اس بے نیازی کا اصلی سبب یہ تھا کہ محدثین کرام اس قدر سادہ زندگی بسر کرتے تھے کہ ان کو اُمراء وسلاطین کی فیاضیوں کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہوتی تھی۔ امام نووی کو ان کے والد کی طرف سے انجیر اور روٹی ملتی تھی اور وہ اس پر اپنا گزراوقات کرتے تھے۔ اس کے علاوہ تمام مزخرفاتِ دنیوی سے قطع تعلق کرلیا تھا، نہ حمام میں جاتے تھے، نہ کسی کا میوہ کھاتے تھے، نہ عمدہ لباس پہنتے تھے، ان کے لیے موٹا

جھوٹا کپڑا کافی تھا اور اس میں بھی پیوند لگے رہتے تھے۔

(تذکرة الحفاظ: ٤/ ٢٦٤)

یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ محدثین کرام نے یہ طرزِ زندگی مجبوراً اختیار کیا تھا۔ بعض محدثین نہایت دولت مند تھے لیکن بایں ہمہ انھوں نے محدثین کی اس عام روش کو قائم رکھا۔ علامہ ذہبی نے امام محمد بن عبداللہ مصری کے تذکرے میں ان کے متعلق سعید بن عثمان کا قول نقل کیا ہے:

"ويروح إلى الجمعة وقميصه مرقوع ولو شاء أن يلبس أرفع ما يكون لفعل لأنه كان عنده من المال أمر كبير." (تذكرة الحفاظ: ٢/ ٢٧)

''اور جمعہ میں پیوند لگا ہوا کرتہ پہن کر گئے اور اگر وہ چاہتے تو عمدہ سے عمدہ کپڑا پہن سکتے تھے کیونکہ ان کے پاس کثرت سے مال تھا۔''

حافظ عبدالغنی اس قدر متمول اور فیاض تھے کہ راتوں کو لوگوں کے مکان پر خفیہ طور پر آٹے کی بوریاں رکھ آتے تھے۔ لیکن بایں ہمہ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے۔ (تذکرة الحفاظ: ٤/ ١٧)

محدثین کا اثر:

بایں ہمہ فقر وفاقہ دنیائے اسلام پر محدثین کا یہ اثر تھا کہ ان کے سامنے بڑے بڑے جبابرہ کی گردنیں جھک جاتی تھیں۔ اوپر گزر چکا ہے کہ سلطان ظاہر ایک محدث کی نسبت کہا کرتا تھا کہ میں ان سے گھبراتا ہوں۔ مامون الرشید مسئلہ خلق قرآن کا قائل تھا اور اُس کی اشاعت کرنا چاہتا تھا لیکن اس کو یزید بن ہارون کا خوف اس کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ وہ خود کہا کرتا تھا کہ اگر یزید بن ہارون نہ ہوتے تو میں اس عقیدے کا علانیہ اظہار کرتا۔ لوگوں نے کہا: یزید کون شخص ہے جس سے آپ ڈرتے ہیں؟ بولا: ''اگر میں اس کا اعلان کروں تو وہ اس کی تردید کر دیں گے اور ایک فتنہ عظیم اٹھ کھڑا ہوگا۔''

(تذکرة الحفاظ: ١/ ٢٩٢)

ایک بار امام مالک خلیفہ ابوجعفر کے یہاں تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ ایک لڑکا آ آ کر واپس جاتا ہے۔ جعفر نے کہا: ''آپ جانتے ہیں یہ کون ہے؟ یہ میرا لڑکا ہے۔ لیکن آپ کے خوف سے آنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔'' (تذکرة الحفاظ: ١/ ١٤٩)

قوم پر یہ اثر تھا کہ لوگ محدثین کرام کی آستان بوسی کو اپنے لیے مایہ عز وافتخار سمجھتے تھے۔ ابوسعد کا بیان ہے کہ میں ایک بار ابوسعد بن بغدادی کے دروازے پر دیر تک کھڑا رہا۔ وہ نکلے تو معذرت کی کہ میں نے آپ کو اتنی دیر تک کھڑا رکھا۔ انھوں نے کہا کہ محدثین کے دروازے پر کھڑا رہنا عزت ہے۔

عزت وشہرت کا آخری مرکز سلطنت ہے لیکن اس معاملے میں صرف محدثین ہی کا بوریائے فقر تخت شاہی کا مقابلہ کرسکتا تھا۔ عبدالرحمٰن بن واقد کا بیان ہے کہ میں نے مدینے میں جا کر امام مالک کے دولت کدے کو دیکھا تو معلوم ہوتا تھا کہ کسی امیر کا دروازہ ہے۔

(تذکرة الحفاظ: ١/ ١٨٨)

حافظ عبدالغنی گھر سے نکلتے تھے تو لوگ بازاروں میں صف بستہ کھڑے ہو کر ان کی زیارت سے مشرف ہوتے تھے۔ مصر میں جمعہ کے لیے گھر سے روانہ ہوتے تھے تو راستے میں لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوتا تھا کہ ان کے ساتھ چلنا دشوار ہو جاتا تھا۔ محمود بن سلامہ اطرافی کا بیان ہے کہ اصفہان کے لوگوں پر ان کا یہ اثر تھا کہ اگر وہ وہاں کے بادشاہ ہونا چاہتے تو نہایت آسانی کے ساتھ ہو سکتے تھے۔

(تذکرة الحفاظ: ٤/ ١٧٥)

امام فریابی بغداد میں آئے تو لوگوں نے شاہانہ شان وشوکت کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور ایک خاص مقام پر سماعِ حدیث کے لیے ایک مجلس منعقد کی جس میں تقریباً ٣٠ ہزار آدمی جمع ہوئے۔

(تذکرة الحفاظ)

حافظ ابوالعلی نے وفات پائی تو ان کے سوگ میں اکثر بازار بند ہوگئے۔ (تذکرة الحفاظ: ٢/ ٢٧٥)

حافظ دارقطنی مصر سے روانہ ہوئے تو لوگوں نے بادیدۂ پُرنم ان کو الوداع کیا۔ (تذکرة الحفاظ: ٣/ ١٥٠)

لیکن بایں ہمہ عز وجاہ محدثین کی اخلاقی حالت اُمراء وسلاطین سے بالکل مختلف تھی۔ اُمراء وسلاطین بلکہ دنیا دار علماء تک کا مقصد جاہ واقتدار کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔لیکن محدثین نے اس دنیوی عزت کو ہمیشہ اپنے اصلی مقصد، یعنی خلوص کے منافی سمجھا۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ہمام بن یحیی فرماتے تھے کہ میں نیکی کے کاموں میں حدیث کے سوا تمام نیک اعمال کے متعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ثواب کی توقع رکھتا ہوں۔(تذکرۃ الحفاظ : ۱/ ۱۸۱)

امام سفیان ثوری کا قول تھا کہ علمِ حدیث کی تحصیل موت کا زادِ راہ نہیں ہوسکتی۔ وہ صرف انسان کا ایک مشغلہ ہے۔

ابو اسامہ کہتے تھے کہ ان کا یہ قول بالکل صحیح ہے کیونکہ علمِ حدیث کی تحصیل خود حدیث سے مختلف چیز ہے۔ انسان اکثر اس کے ذریعے سے فخر ونمود کا خواست گار ہوتا ہے اور ستائش آمیز کلمات اور معزز القاب حاصل کر کے اپنا دل خوش کرتا ہے۔

(تذکرۃ الحفاظ : ۱/ ۱۸٤)

سلاطین واُمراء اقتدار حاصل ہوجانے کے بعد اپنے سوا تمام دنیا کو حقیر وذلیل سمجھنے لگتے ہیں لیکن محدثین کرام تمام دنیا کو اپنے مساوی سمجھتے تھے، اس لیے ہر شخص کے ساتھ مساوات کا برتاؤ کرتے تھے۔

ایک بار امام ہارون سائے میں بیٹھ کر درس دے رہے تھے اور طلباء دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ امام احمد بن حنبل نے دیکھا تو کہا کہ طلباء کے برابر بیٹھ کر درس دیجیے۔

محدثین کے فضائل اخلاق کی یہ نہایت نامکمل تصویر ہے۔ آخر آسمان کے ستاروں کو کون گن سکتا ہے......!



بقیہ: درسِ حدیث

بہت لوگ ہیں اس زمانے کے جو اپنی بول چال میں کہتے ہیں کہ حدیث میں یوں آیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے۔ حالانکہ وہ بات نہ حدیث میں ہے اور نہ آپ ﷺ نے فرمائی ہے، لہٰذا ڈرنا چاہیے اور بغیر تحقیق کے کبھی کسی بات کو رسول اللہ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہیے۔ جو ایسا کرے گا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔

ائمہ محققین نے فرمایا: جو کوئی حدیث بیان کرے رسول اللہ ﷺ سے ایسے لفظوں اور عبارت میں جس سے معنی بدل جائیں یا نسبت کرے کسی کام کی جو آپ ﷺ نے نہیں کیا تو اس کا بھی یہی حکم ہے اور ایک صحیح روایت میں یوں آیا ہے کہ اس کا گھر دوزخ میں ہے۔ حافظ عسقلانی نے فرمایا ہے: مقتضیٰ اس حدیث کا یہ ہے کہ جھوٹ آنحضرت ﷺ پر ہر حال میں برابر ہے۔ بیداری میں ہو یا خواب میں۔ یہ حکم عام ہے قول وفعل وتقریرِ نبوی میں اور تحریمِ حلال اور بالعکس میں اور فاحشہ عظیمہ اور گناہ کبیرہ ہے۔ اور اگر کوئی عالم آپ ﷺ کے قول کا معنی ایسی عبارت میں نقل کرے جو آپ ﷺ کے الفاظ نہ ہوں لیکن اس کے معنی آپ ﷺ کے الفاظ کے عین مطابق ہوں تو یہ محققین کے نزدیک جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور جس نے ایک بار حدیث میں جھوٹ بولا وہ فاسق ہے اور اس کی گواہی مردود ہے اور اس کی روایت سے حجت لانا باطل ہے بلکہ توبہ کرنے سے بھی اس کی روایت امام احمد کے نزدیک غیر مقبول ہے اور یہی مذہب حنفیہ کا ہے۔

اور اس حدیث کو ستر صحابہ سے زیادہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے جس میں عشرہ مبشرہ بھی داخل ہیں۔ اس مرتبہ کی کوئی دوسری حدیث نہیں ہے یہاں تک کہ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ یہ حدیث متواتر اللفظ والمعنی ہے۔



پند و نصائح

الدین نصیحۃ

دین خیر خواہی سے عبارت ہے

موہب الرحیم

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام نازل فرمایا اور انبیاء علیہم السلام کو اسی دین کی دعوت دینے کے لیے مبعوث فرمایا۔ تمام انبیاء علیہم السلام اس بات کی خواہش اور تمنا رکھتے تھے کہ ان کی امت اللہ پر ایمان لے آئے اور اللہ کے عذاب سے نجات حاصل کر لے۔ انبیاء علیہم السلام کو اس غرض کے لیے بہت سی تکالیف اٹھانی پڑیں مگر لوگوں کو اس کامیابی کی طرف بلانے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی جسے قرآن فلاح کہتا ہے، اس فلاح کا مطلب "الفوز بالعاقبة" یعنی انجامِ کار کی کامیابی ہے۔ اس کو عربی میں نصح اور اُردو میں خیر خواہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

علماء نے نصح کی مختلف تشریحات کی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی کے لیے خیر پسند کرنا اور پھر اس تک یہ خیر پہنچانے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنا۔

سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت اور ان کو جھٹلانے والوں کا انجام ذکر کیا ہے، ساتھ میں اللہ نے یہ بھی خبر دی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قوم کے ناصح تھے۔ نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ وہ کہتے تھے:

﴿اُبَلِّغُكُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ وَ اَنۡصَحُ لَكُمۡ وَ اَعۡلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ۝﴾ [الأعراف: ٦٢]

"میں اپنے رب کی رسالت کی تبلیغ کرتا ہوں اور میں تم سے خیر خواہی کرتا ہوں، میں اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔"

اس کے بعد ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا:

﴿اُبَلِّغُكُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ وَ اَنَا لَكُمۡ نَاصِحٌ اَمِیۡنٌ۝﴾

[الأعراف: ٦٨]

"میں اپنے رب کا پیغام تمھیں پہنچاتا ہوں اور میں تمھارے لیے امانت دار خیر خواہ ہوں۔"

صالح علیہ السلام کی قوم پر جب عذاب آیا تو فرمایا:

﴿یٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُكُمۡ رِسَالَةَ رَبِّیۡ وَ نَصَحۡتُ لَكُمۡ وَ لٰكِنۡ لَّا تُحِبُّوۡنَ النّٰصِحِیۡنَ۝﴾

[الأعراف: ٧٩]

"اے میری قوم! میں نے یقیناً تم تک اپنے ربّ کا پیغام پہنچا دیا ہے اور (ہر ممکن) تمھاری خیر خواہی کی ہے لیکن تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔"

شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

﴿لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُكُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ وَ نَصَحۡتُ لَكُمۡ﴾

[الأعراف: ٩٣]

"یقیناً میں نے تم تک اپنے ربّ کا پیغام پہنچا دیا ہے اور میں تمھاری خیر خواہی کر چکا ہوں۔"

نبی آخر الزماں ﷺ کی خیر خواہی کا انداز:

رسول اللہ ﷺ میں خیر خواہی کی خوبی سب سے بڑھ کر تھی اور آپ علی الاطلاق مخلوق میں سے سب سے زیادہ خیر خواہ تھے۔ خیر خواہی ایک جامع لفظ ہے اور خیر خواہی جن جن طریقوں سے ممکن ہوسکتی ہے وہ سب رسول اللہ ﷺ میں موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جا بجا ان کو بیان کیا ہے، مثلاً:

☆ ...... ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ٥﴾ [التوبة: ۱۲۸]

''بلاشبہ یقیناً تمھارے پاس تمھی سے ایک رسول آیا ہے، اس پر بہت شاق ہے کہ تم مشقت میں پڑو، تم پر بہت حرص رکھنے والا ہے، مومنوں پر بہت شفقت کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

☆ ...... ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ [آلِ عمران: ۱٦٤]

''بلاشبہ یقیناً اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا جب اس نے ان میں ایک رسول انھی میں سے بھیجا جو ان پر اس کی آیات پڑھتا اور انھیں پاک کرتا اور انھیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔''

☆ ...... ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا٥﴾ [الكهف: ٦]

''پس شاید تُو اپنی جان ان کے پیچھے غم سے ہلاک کر لینے والا ہے، اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائے۔''

☆ ...... ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ٥﴾ [الشعرآء: ۳]

''شاید تُو اپنے آپ کو ہلاک کرنے والا ہے، اس لیے کہ وہ مومن نہیں ہوتے۔''

اور ان جیسی متعدد آیات ہیں جو آپ ﷺ کی مخلوقِ خدا سے کمال خیر خواہی پر دلالت کرنے میں واضح ہیں۔

سارا دین خیر خواہی سے عبارت ہے، اسی خیر خواہی پر نجات کا مدار ہے اور اسی خیر خواہی پر رسول اللہ ﷺ بیعت لیتے تھے۔ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"بايعنا رسول الله على إقام الصلاة وإيتاء الزكاة والنصح لكل مسلم." (صحيح بخاري)

''ہم نے رسول اللہ ﷺ کی نماز قائم کرنے، زکاۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان سے خیر خواہی کرنے پر بیعت کی۔''

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((الدين نصيحة.)) قلنا: لمن؟ قال: ((لله ولرسوله ولكتابه ولأئمة المسلمين وعامتهم.))

''دین خیر خواہی ہے۔'' (صحابہ کہتے ہیں) ہم نے کہا: کس کے لیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے لیے، اس کے رسول کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، مسلمانوں کے ائمہ اور ان کے عوام کے لیے۔''

اسلاف کرام اور خیر خواہی:

صحیح بخاری میں مذکور ہے، ام درداء کہتی ہیں: میں ابودرداء رضی اللہ عنہ کے پاس آئی تو وہ غصے میں تھے۔ میں نے پوچھا: غصہ کس لیے آیا ہے؟ کہنے لگے:

"والله ما أعرف فيهم شيئا من أمر محمد إلا إنهم يصلون جميعا."

''میں ان میں محمد ﷺ کے معاملے میں سے کچھ بھی نہیں پاتا سوائے اس کے کہ یہ نماز اکٹھی پڑھتے ہیں۔''

گویا ابودرداء رضی اللہ عنہ نے اپنے اس جذبۂ خیر خواہی کا اظہار کرتے ہوئے لوگوں کے باہمی افتراق پر افسوس کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح بخاری میں منقول ہے۔ زہری کہتے ہیں کہ میں دمشق میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو وہ رو رہے تھے۔ میں نے پوچھا: کس نے رلایا ہے؟ کہنے لگے:

"لا أعرف شيئا مما أدركت إلا هذه الصلاة، وهذه الصلاة قد ضيعت."

یعنی جو چیز بھلائی کے کام لوگ سرانجام دیتے تھے ان میں سے فی زمانہ نماز ہی باقی رہ گئی ہے لیکن اب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ لوگوں نے اس کو بھی ضائع کر دیا ہے۔

یہ افسوس دین کے لیے خیر خواہی سے ہی پیدا ہوتا ہے۔

ابن ابی زید القیروانی، جنھیں ''مالک صغیر'' کہا جاتا ہے، نے اپنی

کتاب الجامع میں امام مالک سے نقل کیا ہے کہ میں عبداللہ بن یزید بن ہرمز کے پاس آیا:

"فذكر شيئا من فرائض الإسلام وما انتقص منه وما خاف علی ضيعته وأن دموعه تسكب."

''تو انھوں نے اسلام کے جو فرائض چھوٹ چکے تھے ان کا ذکر کیا اور جن کے ضائع ہونے کا ڈر تھا ان کا ذکر کیا اور (شدتِ افسوس کی وجہ سے) ان کے آنسو بہہ رہے تھے۔''

کتنے ہی دین کے کڑے ٹوٹ چکے ہیں اور کس کس انداز میں اہلِ ہویٰ نے دین پر اپنا تسلط جما رکھا ہے مگر افسوس صد افسوس کہ ہم میں بیداری اور کماحقہ دین کے لیے خیر خواہی ناپید ہوتی جا رہی ہے، فیا غربة الإسلام!

یاد رکھیں کہ نصح کبھی انسان سے ساقط نہیں ہوتا۔ نصح بہ وقتِ فرض ہر وقت فرض اور بہ وقتِ استحباب ہر وقت مستحب رہتا ہے، جیسا کہ ربّ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [التوبة: ٩١]

''کمزوروں پر، بیماروں پر اور ان لوگوں پر کوئی حرج نہیں جو خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں پاتے جب وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے خیر خواہی کریں، احسان کرنے والوں پر کوئی راستہ نہیں اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

اس کی وجہ یہ ہے کہ خیر خواہی اصل دل کا عمل ہے اور دل کے اعمال، مثلاً: اللہ کے لیے محبت، اللہ کے بندوں سے ولاء اور اللہ کے دشمنوں سے براءت ونفرت وغیرہ کی فرضیت کبھی ساقط نہیں ہوتی۔ اس کی مثال وہ حدیث بھی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی بُرائی دیکھو تو منع کرو، اگر ہاتھ سے منع کرنے کی طاقت نہیں تو زبان سے روکو، اگر یہ بھی طاقت نہیں تو دل سے بُرا جانو اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔

اب گناہ کی نکیر واجب ہے اور اسے دل میں بُرا جاننا ہر وقت فرض ہے، طاقت یا ناطاقتی کی بات ہی نہیں۔ بعینہٖ خیر خواہی کا معاملہ ہے۔

خیر خواہی کی فضیلت واہمیت:

خیر خواہی افضل ترین اعمال میں سے ہے۔ ابو درداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"إن شئتم لأقسمن لكم أن أحب عباد الله إلى الله الذين يحببون الله إلى خلقه، إن شئتم لأقسمن لكم أن أحب عباد الله إلى الله الذين يمشون في الأرض نصحاء."

''اگر تم چاہو تو میں قسم اٹھاؤں کہ اللہ کے سب سے محبوب بندے وہ ہیں جو اللہ کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں، اگر تم چاہو تو میں قسم اٹھاؤں کہ اللہ کو اپنے بندوں میں سے سب سے زیادہ محبوب وہ ہیں جو زمین میں خیر خواہی کرتے ہوئے چلتے ہیں۔''

اس کو وکیع بن جراح نے کتاب الزہد میں بیان کیا ہے اور کتاب کے محقق نے سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ نے جن دو اوصاف کا ذکر کیا ہے یہ واقعی اللہ کی محبت کو لازم کرنے والے امور ہیں۔

انسان خیر خواہی کرتے ہوئے وہ درجہ پا لیتا ہے جو عام نیکیوں سے حاصل نہیں ہوتا۔ ابو بکر مزنی کہتے ہیں:

"ما فاق أبوبكر أصحاب رسول الله بصوم ولا صلاة ولكن بشيء وقر في قلبه."

(جامع العلوم والحكم لابن رجب)

''ابو بکر اصحابِ رسول اللہ پر نماز اور روزے کی وجہ سے فائق نہیں ہوئے بلکہ ایک ایسی چیز کے ساتھ ان پر فائق ہوئے جو ان کے دل میں جگہ پکڑ چکی تھی۔''

ابن علیہ کہتے ہیں: وہ چیز "الحب لله والنصيحة في خلقه." یعنی اللہ کے لیے محبت اور اس کی مخلوق میں خیر خواہی

کرنا ہے۔

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"ما أدرك عندنا من أدرك بكثرة الصلاة والصيام إنما أدرك عندنا بسخاء الأنفس وسلامة الصدور والنصح للأمة."

(طبقات الصوفية لأبي عبد الرحمن السلمي)

''ہمارے ہاں جس نے درجہ پایا ہے وہ نماز روزے سے نہیں پایا بلکہ نفس کی سخاوت، سینوں کی سلامتی اور امت سے خیر خواہی کرنے سے پایا ہے۔''

ابن المبارک سے پوچھا گیا:

"أي العمل أفضل؟ قال: النصح لله."

''سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ کہنے لگے: اللہ کے لیے خیر خواہی کرنا۔''

سري السقطي کا قول ابوعبدالرحمٰن السلمی نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے:

"أربع من أخلاق الأبدال: استقصاء الورع، وتصحيح الإرادة، وسلامة الصدر للخلق، والنصيحة لهم."

''چار چیزیں ابدال کے اخلاق سے ہیں: زہد وورع کی ہر ممکن کوشش کرنا، ارادے کو صحیح کرنا، یعنی اخلاص، مخلوق کے لیے سینہ صاف رکھنا اور ان کے لیے خیر خواہی کرنا۔''

خیر خواہی میں بہت خیر ہے اور کون عقل مند اس چیز سے محرومی پسند کرے گا جو سرتا پا خیر ہو، جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"النصحية لهم فرض لاينبغي تركه، وإدراك نافلة خير، لا يدعه إلا من سفه نفسه وترك موضع حظه." (الرسالة)

''مسلمانوں کے لیے نصیحت بہ منزلِ فرض ہے جسے چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔ نفل (غیر فرض) کا حصول بڑی عمدہ بات ہے اور جو نفل کے حصول سے کوتاہی برتتا ہے گویا وہ تجاہل عارفانہ سے کام لے رہا ہے اور اپنے حصے کی زائد بھلائی کو چھوڑ رہا ہے۔''

یعنی ہمیں نوافل (غیر فرض) وغیرہ کا اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ ان میں بڑی خیر ہوتی ہے۔ اور جو ہو ہی فرض تو اس میں پوشیدہ بھلائی کا ہم تصور بھی کر سکتے ہیں!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کو اللہ، اللہ کی کتاب، رسول اللہ اور مسلمانوں کے ائمہ اور ان کے عوام سے خیر خواہی کرنے سے تعبیر کیا ہے جس کی وضاحت درج ذیل ہے:

<u>اللہ کے لیے نصح:</u>

توحید کا اقرار کرنا، عبادت خاص اس کے لیے کرنا، اسماء وصفات میں تعطیل اور تشبیہ سے اجتناب کرنا، جو اس نے اپنی صفات بیان کی ہیں بغیر تحریف کے تعبیر اور تمثیل کے انھیں ماننا، اللہ کے لیے محبت کرنا، اس کے لیے نفرت کرنا، اس کے لیے دینا اور اس کے لیے روک لینا وغیرہ۔

اللہ کے لیے خیر خواہی میں سے یہ بھی ہے کہ انسان صرف اللہ کے لیے غصے میں آئے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

"ما انتقم رسول الله لنفسه قط إلا أن تنتهك محارم الله فينتقم لها."

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنے لیے انتقام نہیں لیا، الا یہ کہ اللہ کے محارم پامال کیے جاتے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے لیے انتقام لیتے۔''

اللہ کے لیے نصیحت میں سے یہ بھی ہے کہ جب دو معاملات درپیش ہوں، ایک محض اپنے لیے ہو، دوسرا اللہ کے لیے تو جو اللہ کے لیے ہے اس کو مقدم کیا جائے۔ اسی کی مثال یوں سمجھیں کہ ایک آدمی نے دن کی ترتیب مقرر کی ہو کہ صبح کے وقت وہ ایک پارہ تلاوت کرے گا اور مغرب کے بعد اپنی دنیاوی تعلیم یا کسی اور اپنے کام کو وقت دے

گا۔ اگر وہ شام کو اپنا کام نہیں کر سکا تو وہ یہ نہ کرے کہ جو وقت تلاوت کو دیتا تھا وہ اس دنیوی کام پر لگا دے۔ اس کا طرزِ عمل یہ ہونا چاہیے کہ اگر وہ تلاوت نہیں کر سکا تو دنیاوی کام سے وقت نکال کر تلاوت کو دے۔ اس کے ساتھ ساتھ کہ یہ اللہ کے لیے نصح اور انصاف نہیں۔ یہ ان مشرکین کے ساتھ مشابہت بھی ہو سکتی ہے جو اپنے اللہ کے علاوہ معبودوں کا حصہ کم ہو جانے کے وقت اللہ کے حصے میں سے کچھ نکال کر اپنے معبودوں کے حصے کو پورا کر دیتے۔ اور اگر اللہ کا حصہ کم ہو جاتا تو غیر اللہ کے حصے میں سے اللہ کا حصہ پورا نہ کرتے۔ سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی اس عادت کو بیان کیا ہے:

﴿وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِيْبًا﴾

[الأنعام: ١٣٦]

''اورانھوں نے اللہ کے لیے ان چیزوں میں سے جو اس نے کھیتی اور چوپاؤں میں سے پیدا کی ہیں، ایک حصہ مقرر کیا۔''

ہمیں اس بات سے ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں انجانے میں ہم مشرکین کی مشابہت تو نہیں اختیار کیے بیٹھے۔

رسول اللہ کے لیے نصح:

اللہ کے رسول پر کسی کو ترجیح نہ دے۔ ان کی بات پر اعتراض نہ کرے، اطاعت کرے، فیصلے کو تسلیم کرے اور دل میں کوئی تنگی نہ رکھے۔ رسولِ اقدس ﷺ کی توقیر و تعظیم کرے۔ آپ ﷺ کی حرمت پر جان دے دے۔ اپنے نفس، باپ بیٹے اور سب لوگوں سے زیادہ آپ ﷺ کی ذات سے محبت کرے۔ کسی کی رائے، ذوق، وجد، سیاست، قیاس اور عقل سے آپ ﷺ کی بات کا معارضہ نہ کرے۔ آپ ﷺ کی ذات میں غلو نہ کرے۔ بدعت سے اجتناب کرے، بدعت سے اجتناب بہت بڑی خیر خواہی ہے۔ آپ ﷺ کی قبر کو سجدہ گاہ نہ بنائے۔ حدیث کی بھی تعظیم کرے جس طرح کہ سعید بن میسّب کے بارے ابن عبد البر نے ذکر کیا ہے کہ وہ حدیث سنانے لگے لیکن وہ بیمار تھے اور لیٹے ہوئے تھے، چنانچہ وہ پہلے اٹھے اور پھر حدیث سنائی۔

اللہ کی کتاب کے لیے نصیحت:

کتاب اللہ کی تعظیم کرنا، احکامات بجا لانا، کتاب اللہ میں تحریف اور باطل تاویلات کرنے سے بچے، مشتبہات پر ایمان لائے، ہر کتاب سے زیادہ کتاب اللہ کو عزیز رکھے اور جو احکامات اللہ نے اس میں نازل کیے ہیں ان کے مطابق فیصلہ کرے۔ کتاب اللہ کے لیے نصح یہ بھی ہے کہ انسان تدبر کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرے جیسا کہ اللہ کے بندوں کی صفت ہے۔

ائمہ سے خیر خواہی:

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((ثلاث خصال لا يغل عليهن قلب مسلم أبدا: إخلاص العمل لله، ومناصحة ولاة الأمر، ولزوم الجماعة.)) (رواه أحمد في المسند)

''تین خوبیاں ایسی ہیں جنھیں اختیار کرنے سے مسلمان کا دل ہمیشہ کے لیے ہر قسم کے شر سے پاک ہو جاتا ہے: اللہ کے لیے عمل کو خالص کرنا، معاملے کے سربراہ سے خیر خواہی کرنا اور (مسلمانوں کی) جماعت کو لازم پکڑنا۔''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إن الله يرضى لكم ثلاثا: يرضى لكم أن تعبدوه ولا تشركوا به شيئا، وأن تعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا، وأن تناصحوا من ولاه الله أمركم.)) (مسند أحمد)

''بیشک اللہ نے تمھارے لیے تین چیزیں پسند کی ہیں: اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقوں میں نہ بٹو، جس کو اللہ تمھارے معاملے کا والی (سربراہ) بنائے اس سے خیر خواہی کرو۔''

معاملے کا سربراہ صرف خلیفہ یا حکمران نہیں بلکہ کسی بھی اچھے کام کا کوئی بھی ذمہ دار ہو اس سے خیر خواہی کرنا ہمارا دینی فریضہ ہے۔

امیر کی خیر خواہی یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، اس کی غلطی پر اچھے طریقے سے اسے سمجھایا جائے، بغیر شرعی وجہ کے اس کو اس کے عہدے سے ہٹانے کے لیے کوشش نہ کی جائے اور اگر نیک ہے تو اس کے لیے زندگی اور استقامت کی دعا کی جائے بالخصوص جب اس کی زندگی اسلام کے لیے مفید ہو۔

امام اہل السنہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ میں اللہ کے لیے اور اس کی مخلوق کے لیے نصیحت کا جذبہ بہت زیادہ تھا۔ ابوبکر خلال کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو خلیفہ متوکل کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا، امام صاحب رحمہ اللہ فرمانے لگے کہ میں اس خلیفہ کے لیے خیر وعافیت کی دعا کرتا ہوں کیونکہ:

"إن حدث به حدث لتنظرن ما يحل بالإسلام."

''اگر اس کو کچھ ہوگیا تو تم دیکھو گے کہ اسلام کو کیا مصیبت پیش آتی ہے۔''

ایک اچھا حکمران گویا اسلام کا بہت مضبوط قلعہ ہوتا ہے۔ دیکھتے نہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو کتنے فتنے امت میں پیدا ہوگئے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سحری کے وقت چھ لوگوں کے لیے خصوصی دعا کیا کرتے تھے، ان میں سے ایک امام شافعی رحمہ اللہ تھے کیونکہ امام شافعی مجسم خیر کثیر تھے۔ ہمیں بھی اپنے علماء کے متعلق ضرور ایسا سوچنا چاہیے، یہ عین خیر خواہی ہے کیونکہ جب تک ائمہ حق پر رہیں گے تب تک دین کی بقا ہے اور جب علماء اور حکمران حق سے ہٹ جائیں گے تو دین خراب ہوجائے گا، اسی لیے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا مشہور شعر ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ دین کو بادشاہ اور بُرے علماء ہی خراب کرتے ہیں۔ اور یہ بات مبنی بر حقیقت ہے بلکہ بادشاہوں اور علماء کی خرابی تفرقہ بازی اور قتل وغارت گری کی بہت بڑی وجہ ہے کیونکہ لوگ اپنی پسندیدہ شخصیات کے لیے تعصب رکھتے ہیں اور علماء پر لوگ اعتماد کرتے ہیں اور انھی سے شریعت کی راہنمائی لیتے ہیں۔ اللہ ہمارے حکمرانوں کو ہدایت نصیب فرمائے۔

عوام سے خیر خواہی:

عوام سے خیر خواہی دو طرح پر ہے: ایک یہ کہ امام اور معاملے کے سربراہ کی اپنے عوام سے۔ دوسرا یہ کہ عوام کی عوام سے خیر خواہی۔

بعض احادیث میں خاص سربراہ کو اپنی رعایا سے خیر خواہی پر ترغیب دلائی گئی ہے۔ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ما من عبد استرعاه الله رعية فلم يحطها بنصيحة إلا لم يجد رائحة الجنة.))

(صحيح بخاري)

''جس کو بھی اللہ نے رعیت کا والی بنایا، پھر اس نے ان کی خیر خواہی نہ کی تو وہ جنت کی خوش بُو نہ پائے گا۔''

سربراہ پر لازم ہے کہ وہ اپنے عوام سے خیر خواہی کرے، دینی طور پر بھی اور دنیاوی طور پر بھی، ان کی تعلیم کے لیے آسانی کرے، نیکی سے ان کو مشغول نہ کرے، نماز وغیرہ کا قیام کرے، حکمران ہے تو لازمی طور پر حدود کا نفاذ کرے جس میں پوری امت کے لیے خیر خواہی ہے، چالیس روز بارش ہونے سے زیادہ حد نافذ ہونے کا فائدہ ہے۔ یہ ایک حدیث کا مفہوم ہے جس کو البانی رحمہ اللہ نے صحیحہ میں صحیح قرار دیا ہے۔ مختلف معاملات کے لیے منصوبہ سازی کرے، مشورے سے کام کرے، نرمی سے پیش آئے الا کہ سختی کی ضرورت ہو، اپنی رعایا کے معاملات سننے سے نہ دوڑے اور نہ چھپے، جیسا کہ ابوداود میں ہے کہ جو سربراہ اپنی رعایا سے ان کی حاجت کی وجہ سے چھپ گیا تو اللہ بھی اس کی حاجت اور ضرورت کے وقت اس سے پردہ فرمائے گا۔

اپنی رعایا کا ہر طرح سے خیال رکھنا چاہیے۔ "لطائف المعارف" میں ابن رجب رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سردیوں میں ملک شام کی طرف خط لکھتے کہ سردی سے بچنے کے لیے اون کا کپڑا استعمال کرو۔ ابن رجب کہتے ہیں: یہ امیر المومنین کی اپنی رعایا سے کمال خیر خواہی تھی۔

عوام کی عوام سے خیر خواہی: معلوم یہی ہوتا ہے کہ انسانوں کے

مختلف طبقات ایک دوسرے کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ بہت سے معاملات میں وہ ایک جیسے ہوتے ہیں۔ ہر طبقے کے بندے کو دوسروں کے ساتھ ساتھ اپنے متعلقہ کام کے ساتھی کے ساتھ بھی خیر خواہی برتنی چاہیے بلکہ اس کا حق زیادہ ہے، مثلاً: دو طالب علم ہیں، ان کو آپس میں ایک دوسرے سے خیر خواہی کرنی چاہیے۔ بعض ذہین طلباء دوسرے طالب علم کو اس لیے نہیں پڑھاتے کہ کہیں وہ اس سے آگے نہ نکل جائے یا میرا وقت ضائع ہوگا۔ حالانکہ یہ دوسرے طالب علم سے خیر خواہی ہے، نہ اپنے آپ سے اور نہ دین سے۔ دین کا علم محض خیر ہے اور یہ جتنا پھیلے اتنی خیر ہے بلکہ جس طرح ہو سکے اس خیر کو پھیلانا چاہیے۔ اسی طرح کسی دفتر میں دو ملازمین ہیں، ان کو ایک دوسرے کے ساتھ مکمل خیر خواہی کرنی چاہیے، حسد سے اور کینہ سے ہر ممکن اجتناب کرنا چاہیے۔

اصل بات یہ ہے کہ ہم پیشہ لوگ ایک دوسرے کی مصیبت کو زیادہ جانتے ہیں۔ ان کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کام میں کیا مسائل ہیں جن سے فساد پیدا ہوتا ہے اور کس طرح ان کا سد باب ہوسکتا ہے، اس لیے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ اپنے پیشے میں نئے آنے والے کو کیا سمجھانا چاہیے اور کس طرح خیر خواہی کرنی چاہیے۔

بہرحال مقصود یہ ہے کہ اپنے ساتھ والے سے خیر خواہی ضرور کرنی چاہیے۔ مسلمان بھائی کی خیر خواہی میں سے یہ بھی ہے کہ انسان تنہائی میں اسے نصیحت کرے، دوسروں کے سامنے ایسا کرنے سے اجتناب کرے الّا یہ کہ اس کی ضرورت ہو۔ "الفرق بن النصیحة والتفسیر ." اس موضوع پر ابن رجب کا ایک رسالہ بھی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((حق المسلم علی المسلم ست: ...... وإذا استنصحك فانصح له .))

''مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں۔'' ان میں سے ایک حق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا: ''جب مسلمان خیر خواہی کا مطالبہ کرے تو خیر خواہی کرے۔''

اللہ ہمیں سب سے خیر خواہی کی توفیق دے۔

ایک چیز کا خیال ضرور رکھنا چاہیے کہ سچا خیر خواہ کون ہے؟ شیطان نے آدم وحوا علیہما السلام سے قسمیں کھا کر کہا تھا کہ میں تمھارا خیر خواہ ہوں:

﴿وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ۝﴾ [الأعراف: ۲۱]

''اور اس نے ان دونوں کو قسم اٹھا کر کہا کہ میں تمھارا خیر خواہ ہوں۔''

یاد رکھنا چاہیے مخلوق کی خیر خواہی مفسدات کو دور کرنا اور مصلحت کو پہچاننے کا نام ہے یا یوں کہہ لیں مکروہ کو دور کرنا اور مستحب تک پہنچانے کا نام ہے۔ تو یاد رکھیں کہ جو چیز اللہ کی شریعت کے خلاف ہو وہ محبوب بھی ہو تو وہ مکروہ کا وسیلہ بننے والی ہے، جس طرح بعض لذتوں والے گناہ ہیں وہ اللہ کے عذاب کا سبب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت نصیب فرمائے اور خیر خواہی کا سچا جذبہ ہمیں ودیعت فرمائے، آمین۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبه وسلم تسلیما کثیرا .

گلندر خان کی وفات

دارالعلوم تقویۃ الاسلام شیش محل روڈ لاہور، کے دیرینہ چوکیدار گلندر خان حرکت قلب بند ہونے سے ۳۰ نومبر ۲۰۱۲ء بروز جمعۃ المبارک بعد نماز عصر وفات پاگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم عرصہ ۳۷ برس سے دارالعلوم کے چوکیدار کی حیثیت سے رہ رہے تھے۔ مرحوم خوش اخلاق اور ہنس مکھ تھے۔ ان کی نماز جنازہ محترم حافظ احمد شاکر نے پڑھائی۔ کثیر احباب واہل علاقہ شریک ہوئے۔ قارئین الاعتصام سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ (ادارہ الاعتصام)

ضرورت استاد

بچوں کو حفظ وناظرہ قرآنِ کریم کی تدریس کے لیے ایک شادی شدہ، محنتی قاری کی ضرورت ہے۔

رابطے کے لیے فون نمبر: 0300-8878629۔ (حافظ محمد ایوب خالد، مہتمم جامعہ عمر ابن الخطابؓ، منڈی جھبراں، ضلع شیخوپورہ)

احسان کا معنی ومفہوم

سعید الرحمٰن عبدالمجید

احسان عربی زبان کا لفظ ہے جس کے بہت سے معانی ہیں۔ اِن تمام معانی میں سے احسان کا ایک معنی ''بھلائی کرنا، اچھائی کرنا، خیر خواہی'' ہے۔ احسان ایک عظیم صفت ہے جس کی مدح وثناء کتاب وسنت میں بے شمار مقامات پر وارد ہے اور اس صفت سے متصف حضرات کی متعدد مقامات پر تعریف بیان کی گئی ہے۔ یہ دنیا فانی ہے یہاں کسی کے لیے بقا وخلود نہیں ہے۔ اس دنیا میں زندگی گزارنے کے لیے معاشرہ اور سوسائٹی میں ربط وتعلق اور باہم ایک دوسرے سے میل ملاپ رکھنے کے لیے احسان کا جذبہ کارفرما ہونا از حد ضروری ہے۔ احسان کا جذبہ ایک انسان کو محترم بنا دیتا ہے اور اسے دوسرے انسان سے قریب ہونے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ انسانی زندگی کے تمام معاملات میں احسان کا جذبہ رکھنا ضروری ہے، چاہے وہ معاملہ دین سے متعلق ہو یا انسانوں کے مابین معاملات سے، چاہے وہ کسی دو آدمیوں کے درمیان کا مسئلہ ہو یا پورے معاشرے کا معاملہ ہو، تمام حالات میں احسان سے کام لینا بہت سود مند ثابت ہوگا اور اس کے اچھے نتائج وثمرات برآمد ہوں گے۔ اللہ ربّ العالمین نے قرآنِ مجید میں احسان کرنے اور احسان کی صفت سے متصف حضرات کی مدح کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَ اَحۡسِنُوۡا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ﴾ [البقرۃ: ۱۹۵]

''اور احسان کرو بے شک اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

احسان کا دائرہ بڑا وسیع ہے جو ہر خاص وعام کو شامل ہے۔ مسلم ہوں یا غیر مسلم، عیسائی ہوں یا یہودی یا دیگر ادیان ومذاہب کے ماننے والے ہوں۔ اللہ ربّ العالمین نے مسلمانوں کو سب کے ساتھ احسان کرنے، عفو ودرگزر سے کام لینے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَبِمَا نَقۡضِهِمۡ مِّيۡثَاقَهُمۡ لَعَنّٰهُمۡ وَ جَعَلۡنَا قُلُوۡبَهُمۡ قٰسِيَةً‌ ۚ يُحَرِّفُوۡنَ الۡكَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِهٖ‌ ۙ وَ نَسُوۡا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوۡا بِهٖ‌ ۚ وَ لَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنۡهُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡهُمۡ‌ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاصۡفَحۡ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ۝﴾ [المائدۃ: ۱۳]

''پھر ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت نازل فرما دی اور ان کے دل سخت کر دیے کہ وہ کلام کو اس کی جگہ سے بدل ڈالتے ہیں اور جو کچھ انھیں نصیحت کی گئی اس کا بہت بڑا حصہ بھلا بیٹھے، ان کی ایک نہ ایک خیانت پر تجھے اطلاع ملتی ہی رہے گی، ہاں تھوڑے سے ایسے نہیں بھی ہیں، پس تُو انھیں معاف کرتا جا اور درگزر کرتا رہ، بے شک اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

اللہ ربّ العالمین نے ہر ایک کے ساتھ، خواہ وہ اعزاء واقرباء ہوں یا کوئی غیر ہوں، احسان کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـئًا‌ ؕ وَّ بِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّ بِذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡجَـارِ ذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡجَـارِ الۡجُـنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالۡجَـنۡۢبِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ ۙ وَمَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنۡ كَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرَا۝﴾ [النساء: ۳۶]

''اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور ماں باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک کرو اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابت داروں سے اور

اجنبی ہمسائے سے اور پہلو کے ساتھی سے، اور راہ کے مسافر سے اور ان سے جن کے مالک تمھارے ہاتھ ہیں (غلام وکنیز)، یقیناً اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں اور شیخی خوروں کو پسند نہیں فرماتا۔''

اس آیت میں نو (۹) اشخاص یا نو (۹) رشتوں کا تذکرہ ہے جن کے ساتھ اللہ رب العالمین نے احسان کرنے کا حکم دیا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ [آل عمران: ١٣٤]

''اور جو لوگ آسانی میں اور سختی کے موقع پر بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں، اللہ ایسے محسنین کو پسند کرتا ہے۔''

احسان ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے ایک انسان دوسرے انسان کے حزن وملال اور غم واندوہ میں کام آتا ہے اور اپنی استطاعت کے بہ قدر اس کی مدد کرتا ہے۔ احسان کا جذبہ رکھنا انسانیت کا تقاضا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی پوری زندگی احسان وخیر خواہی سے عبارت ہے۔ آپ کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد احسان بھی ہے۔ اللہ نے آپ کو انسانیت کی بھلائی اور رشد وہدایت کے لیے اپنا رسول بنا کر بھیجا اور آپ ﷺ پوری امت کے لیے ایک عظیم محسن اور خیر خواہ بن کر اس دنیا میں آئے، بلکہ اللہ کے رسول نے پورے دین کو خیر خواہی بتلایا۔ فرمایا:

((الدين النصيحة.))

''دین سراپا خیر خواہی کا نام ہے۔''

احسان اور احسان سے متصف حضرات کے لیے بہترین اجر وثواب کا بھی وعدہ اللہ نے فرمایا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ﴾ [الرحمن: ٦٠]

یعنی احسان کا بدلہ صرف اور صرف احسان ہے۔

ہر وہ کام جو احسان کے جذبے سے کیا جا سکتا ہے اسے چھوٹا سمجھ کر نظر انداز نہ کر دیا جائے، کیونکہ اللہ کے رسول نے فرمایا:

((كل معروف صدقة.))

(صحيح بخاري، رقم الحديث: ٦٠٢١)

''ہر بھلائی کا کام صدقہ ہے۔''

اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول نے فرمایا:

((لا تحقرن من المعروف شيئا، ولو أن تلقي أخاك بوجه طلق.))

(صحيح مسلم، رقم الحديث: ٢٦٢٦)

''بھلائی کے کسی کام کو حقیر نہ جانو، خواہ وہ تمھارا اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا ہی کیوں نہ ہو۔''

یعنی بھلائی کے تمام مراتب کو سمجھو، خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، کسی مرتبے کو حقیر وکمتر نہ جانو کیونکہ کامیابی، فلاح اور نجات کا دار ومدار مقدار پر نہیں بلکہ اعمال کی مقبولیت پر ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((يا أبا هريرة! كن ورعا تكن أعبد الناس، وكن قنعا تكن أشكر الناس، وأحب الناس ما تحب لنفسك تكن مؤمناً، وأحسن جوار من جاورك تكن مسلما، أقل الضحك فإن كثرة الضحك تميت القلب.))

(ترمذي، رقم الحديث: ٢٣٠٥ حسن)

''اے ابوہریرہ! زہد وورع اختیار کرو، لوگوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار ہو جاؤ گے اور قانع ہو جاؤ، لوگوں میں سب سے زیادہ شاکر ہو جاؤ گے اور تُو لوگوں کے لیے وہی پسند کر جو تُو خود اپنی ذات کے لیے پسند کرتا ہے تو مومن ہو جاؤ گے، تُو اپنے قریبی کے ساتھ بہترین سلوک کر جو تجھ سے قریب ہو تو مسلم ہو جاؤ گے اور کم ہنسو بے شک زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔'' (باقی صفحہ نمبر ۳۲ پر ملاحظہ کریں)

سیرت وسوانح

قسط نمبر ۴

تذکرہ حافظ محمد دین سرگودھوی رحمہ اللہ

عطاء محمد جنجوعہ

تعلق بالزوج:

مرد کے لیے دنیوی نعمتوں میں سے نیک عورت انمول نعمت ہے۔مخبر صادق ﷺ نے فرمایا:

''دنیا سامانِ زیست ہے اور اس کا بہترین سامان صالح عورت ہے۔'' (مسلم)

حافظ صاحب کی اہلیہ نیک، صابرہ، متحمل مزاج اور فراخ دل خاتون ہیں۔محترم حافظ صاحب دینی مدرسے میں متعلّم تھے کہ والدین نے آپ کی شادی کردی۔ جب حافظ صاحب ۲۳ چک تشریف لائے تو اُس وقت آپ کے ہاں عبدالرؤف کی پیدائش ہوچکی تھی۔ آپ کے سسرال سیاجی خاندان کوٹ بھائی خان سے آٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر ڈیرہ ڈوگھہ میں رہائش پذیر تھے، اس لیے آپ کی اہلیہ تعلیم حاصل نہ کرسکی۔ چونکہ اُن کا تعلق زیرک، فطین اور دینی گھرانے سے تھا۔ جناب حافظ صاحب نے نہایت حکمت عملی سے اس کی تعلیم وتربیت کی۔ اثر پذیری کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُس نے شرعی حجاب اور صوم وصلاۃ کی ادائیگی کو اپنی زندگی کا شعار بنا لیا اور حقوق العباد کی ادائیگی میں اسلام کے اصولوں پر کاربند ہوگئیں۔

تربیت اولاد:

حافظ محمد دین مسجد کی خدمت پر مامور ہوئے تو انھوں نے ماہانہ اجرت یا ششماہی فصلانہ مقرر نہیں کیا۔ وہ دل جمعی سے درس وتدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ مقامی جماعت دل کھول کر تعاون کرتی رہی۔ جوں ہی زرخرید زرعی زمین سے آمدنی شروع ہوئی، آپ نے مقامی جماعت پر بوجھ بننا پسند نہ کیا بلکہ مسجد کی توسیع میں دوسروں کے برابر حصہ ڈالتے رہے۔ نیک اولاد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نعمت اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔قرآنِ حکیم میں ارشاد ربانی ہے:

''یہ مال اور اولاد دنیوی زندگی کی آرائش ہیں۔'' (الکھف:۴۶)

حافظ صاحب نے دورِ طالب علمی میں اپنے اساتذہ کا احترام کیا، اُن کے حکم پر لبیک کہی۔ دکھ تکلیف کی صورت میں جان نچھاور کرتے رہے۔ رات کو جاگ کر اُن کی خدمت میں مگن رہے۔ اسی طرح والدین کی خدمت میں ذرہ بھر کوتاہی نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ اساتذہ اور والدین خوش ہوکر دعا دیتے رہتے تھے۔ اللہ وہاب نے آپ کو سات بیٹوں کی نعمت اور چار بیٹیوں کی رحمت سے نوازا۔ حافظ صاحب کے پاس رزق کی فراوانی ہوگئی۔ وہ دوست احباب کے سامنے واشگاف الفاظ میں اظہار کرتے تھے کہ سب کچھ میرے والدین اور اساتذہ کی دعاؤں کا اثر ہے کہ اللہ نے مال واولاد کی کثرت سے نوازا۔

بچوں کی تعلیم وتزکیے میں گھر کے ماحول کا اثر تازیست رہتا ہے۔ حافظ صاحب جب کھانا کھاتے تو اپنے اور بھائیوں کے بچوں کے پاس بٹھاتے۔ اُن سے ہنسی دل لگی کی باتیں کرتے، اُن کو نماز کا سبق دیتے اور آدابِ زندگی سے روشناس کراتے۔ نماز کے وقت بچوں کو ہمراہ لے جاتے، اُن کو پنجگانہ باجماعت نماز کا عادی بنایا۔ بچوں کے ذوق شوق کو مدنظر رکھ کر دینی ودنیوی تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا۔ انھوں نے اپنے اور بھائیوں کے بیٹوں میں فرق نہیں کیا۔ سب کی ضروریات کا مساوی خیال رکھا۔

حافظ صاحب اپنے چھوٹے بچوں کا پیار سے بوسہ لیتے اور گود میں بٹھاتے۔ گاؤں کے دوسرے بچوں کے پاس سے گزرتے تو اُن کو سلام کرتے اور چھوٹوں کو نام لے کر بلاتے۔ اُن کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے۔

آپ نے اپنی اولاد کی تربیت اور پرورش احسن انداز میں کی۔ اُن کی تعلیم، لباس اور خور ونوش پر خرچ کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے مابین فرق نہیں کیا۔ معاملات میں کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دی۔ مشاہدے کی بات ہے کہ کسی ایک سے لاڈ پیار کی وجہ سے امتیازی سلوک کیا جائے تو دوسروں میں حسد وکینہ کے جذبات اُمڈ آتے ہیں۔ تاہم حافظ صاحب نے اپنے اور بھائیوں کے بیٹوں سے مساوی سلوک کیا۔ عدل وانصاف کے برتاؤ کا نتیجہ یہ نکلا کہ حافظ صاحب بیمار ہوئے تو تمام بچے اُن کی خدمت میں سبقت لینے کی کوشش کرتے رہے۔

آپ کا بیٹا عبدالخالق بی اے کے امتحان میں کامیاب ہوگیا۔ اُس نے حافظ صاحب سے ایل ایل بی کورس میں داخلہ لینے کی اجازت طلب کی۔ محترم حافظ محمد دین نے سمجھایا بیٹا جھوٹ کی یہ پٹی ہے۔ آپ ضلع کچہری جا کر مشاہدہ کرلیں کہ قتل، ڈکیتی اور بدکاری کے مجرم گرفتار ہو کر جیل چلے آتے ہیں۔ وکیل صاحبان اصل حقائق سے آگاہ ہونے کے باوجود عدالت میں اُن کی بریت کے لیے قانونی چارہ جوئی کرتے ہیں۔ یہ جھوٹ کی دکان نہیں تو اور کیا ہے؟ قرآنِ حکیم میں ارشادِ ربانی ہے:

''رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے۔''

(الفرقان:۷۲)

مخبرِ صادق ﷺ نے جھوٹ بولنے کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا:

''کیا میں تمھیں سب سے بڑے گناہوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟'' صحابہ نے عرض کیا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول ﷺ! فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا والدین کی نافرمانی کرنا۔'' آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: ''سن لو اور جھوٹ بولنا۔'' پھر آپ ﷺ برابر یہی جملہ دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم تمنا کرنے لگے کہ کاش! آپ ﷺ سکوت اختیار کرلیتے۔ (صحیح مسلم)

فرماں بردار عبدالخالق بیٹے نے باپ کی نصیحت پر عمل کیا اور لا (Law) میں داخلے کا ارادہ ترک کردیا۔ آج کل وہ جدہ (سعودی عرب) میں سینٹری اور ہارڈ ویئر کا وسیع کاروبار کرتا ہے۔ اللہ کریم نے اُس کے رزق میں بڑی برکت عطا فرمائی ہے۔

پڑوسیوں سے تعلق:

محترم حافظ صاحب پڑوس کی مسرت اور خوشی کو اپنی خوشی اور اُس کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتے تھے۔ دکھ سکھ کے موقع پر اُن کے کامکان میں شریک ہوتے رہے۔ کوئی قرضِ حسنہ طلب کرتا تو آپ فراخ دلی سے دیتے۔ جب اپنے گھر میں عمدہ کھانا پکتا تو حافظ صاحب اپنے غریب پڑوسیوں کے بچوں کو ضرور دیتے۔ گھر میں پھل آتا تو ان کے لیے اس میں سے ضرور حصہ نکالتے۔ جب آپ کو پتا چل جاتا کہ آپ کے پڑوسی تنگ دست ہیں، اُن کے بچے کھانے کی چیز کے لیے ضد کررہے ہیں تو بڑی حکمت عملی سے اُن کو اپنے پاس بلا لیتے اور اُن کی ضرورت پوری کرتے۔ آپ جماعتی امتیاز سے بالاتر ہو کر تمام پڑوسیوں سے حسن سلوک سے پیش آتے رہے۔ کبھی کبھار کسی پڑوسی نے آپ سے بے رخی بھی کی تو آپ نے صبر کا مظاہرہ کیا۔ اس کے اِکرام میں فرق نہیں آنے دیا۔ نتیجہ یہ نکلتا کہ وہ شرمندہ ہو کر آپ کے اخلاق کا گرویدہ ہوجاتا۔

مہمان نوازی:

مہمان نوازی ہر مسلمان پر واجب ہے جس کو فراخ دلی سے ادا کرنا مومن کا شیوہ ہے۔ مخبر صادق ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ مہمان کی عزت کرے۔'' (صحیح بخاری)

قرونِ اولیٰ میں میزبان اپنے مہمان کو الوداع کرتے وقت شکریہ ادا کرتے کہ آپ نے نیک عمل کا موقع دیا ہے۔ عصر حاضر میں دہشت گردی کے خوف سے مسلمانوں کی مہمان نوازی کا جذبہ مدھم پڑ گیا ہے۔ حافظ محمد دین (سابق امیر مرکزیہ ضلع سرگودھا) مہمان نوازی کی وجہ سے علماء، کارکنوں اور جماعتی ساتھیوں میں معروف تھے۔

حافظ صاحب کا خاندان فطری طور پر مہمان نواز ہے۔ جب آپ چک ۲۳ میں تشریف لائے اُس وقت اُن کا ذریعہ آمدنی محدود تھا۔ اس کے باوجود عصر کے وقت سلام پھیرنے سے قبل آپ کی کم سن بیٹی فاطمہ چائے کی کیتلی رکھ جاتی اور ساتھیوں کو چائے میں شریک کرتے اور جماعتی امور پر باہمی مشورہ کرتے۔

ایک دفعہ میں حافظ صاحب کے پاس مسجد میں بیٹھا تھا کہ دو آدمی داخل ہوئے۔ آپ اٹھ کر اُن کے استقبال کے لیے چل پڑے۔ پرتپاک انداز میں گلے لگایا۔ گھر میں کھانے کا پیغام بھیجا۔ وہ کہنے لگے: کھائیں گے ضرور لیکن دیسی مرغے کے ساتھ۔ حافظ صاحب یہ سن کر مسکرائے اور اُن کی تمنا پوری کردی اور الوداع کہتے وقت اُن کا شکریہ ادا کیا۔

اسی طرح جھنگ کے مولانا عبدالرشید حنیف رحمہ اللہ ملنے کے لیے آئے، انھوں نے بے تکلفی سے کہا کہ حافظ صاحب! میں نے مکئی کے پراٹھے، مکھن اور ساگ کھانا ہے۔ دستر خوان میں ساگ نہ تھا۔ انھوں نے طلب کیا۔ حافظ صاحب نے عرض کیا کہ کل کا پکا ہوا ہے۔ حضرت مولانا صاحب نے فرمایا: حافظ صاحب! ساگ تو ایک دن پہلے کا لذیذ ہوتا ہے۔

عامل سنت حافظ صاحب کے پاس مریضوں کا ہجوم رہتا۔ آپ موسم کے مطابق چائے یا مشروبات سے اُن کی تواضع کرتے اور دوپہر کے وقت جو موجود ہوتے اُن کو کھانا کھلا کر فارغ کرتے۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث کی ضلعی شوریٰ کا اجلاس چک نمبر ۲۳ میں ہوا۔ کارروائی کے بعد ایک رکن نے سوال اٹھایا کہ ضلعی شوریٰ کا اجلاس اکثر چوکی کی مسجد معاذ بن جبل میں کیوں ہوتا ہے۔ مولانا سلیم اللہ کمیر پوری رحمہ اللہ نے مسکرا کر جواب دیا: ''حافظ صاحب جماعتی ساتھیوں کی مہمان نوازی کا شوق پورا کرتے ہیں۔'' حافظ صاحب زندگی کے آخر سانس تک اس سنت پر قائم رہے۔

سخاوت وفیاضی:

حافظ محمد دین نہایت سخی اور فیاض تھے۔ وہ موقع کی مناسبت سے پڑوسیوں، رشتہ داروں اور ساتھیوں پر دریا دلی سے خرچ کرتے تھے۔ رمضان المبارک میں زکاۃ کی رقم مستحق افراد میں تقسیم کردیتے۔ دیگر ایام میں کوئی سوالی آجاتا تو اُس کو خالی نہ لوٹاتے۔ عیدین پر ملنے والا عطیہ یتیموں اور مسکینوں میں بانٹ کر گھر جاتے۔ اُن کا مخبر صادق ﷺ کے فرمان پر یقین کامل تھا کہ صدقے سے کبھی مال میں کمی نہیں آتی۔ (صحیح مسلم)

چنانچہ آپ کے دونوں ہاتھ کشادہ تھے۔ کسی غریب نے بچی کا فرض ادا کرنا ہوتا یا نادار مریض کے آپریشن کا مسئلہ ہوتا وہ آپ کے پاس پہنچ جاتا۔ آپ دل کھول کر اس کی اعانت کرتے۔ آبائی گاؤں کوٹ بھائی خان کے کئی عیال دار افراد آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے یا بیوہ عورتوں نے فون پر اپنی مجبوری ظاہر کی تو آپ نے مجھ سے حقائق معلوم کرنے کے بعد اُن کی بھرپور مالی معاونت کی۔

ایک مسکین بچی جس کی والدہ فوت ہوچکی تھی اُس کا والد معذور تھا۔ اُس بے سہارا کی نانی نے دختر احمد لگڑ سے کہا کہ میں نے نواسی کا فرض ادا کرنا ہے۔ آپ حافظ صاحب سے سفارش کریں۔ اُس نے فون پر سفارش کی تو حافظ صاحب نے توقع سے بڑھ کر تعاون کیا۔

صلہ رحمی کا اجر:

رزق اللہ ذوالجلال کے پاس ہے وہ جسے چاہے بغیر حساب کے دیتا ہے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾

[آلِ عمران: ۳۷]

خدا بخش لک کے رزق حلال کی کمائی پر اہل دیہہ رشک کرتے تھے۔ اماں بختاور اس قدر موحدہ خاتون تھیں کہ موسم خزاں میں بھی بھوک پیاس کی شدت برداشت کرلی لیکن اللہ ذوالجلال کے علاوہ کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا۔ اُن کے بڑے بیٹے محمد دین نے گاؤں کی مسجد میں حفظ کرلیا۔ اُسے ترجمے کے شوق نے دیوانہ کردیا اور سرگودھا جا کر مفتی جماعت محمد صدیق رحمہ اللہ کی شاگردی اختیار کرلی۔ مفتی صاحب نے نہایت شفقت ومحنت سے پڑھایا۔ حافظ صاحب نے اساتذہ کی خدمت کو زندگی کا شعار بنا لیا۔ جامعہ علمیہ سے فارغ ہوکر ۲۳ چک کی مسجد کی خدمت پر مامور ہوئے۔ انھوں نے زندگی کے اڑتالیس سال اسی مسجد میں درس وتدریس کے دوران

گزار دیے۔ آپ نے تنگی وترشی میں صبر کیا اور خوش حالی میں اللہ کا شکر کیا لیکن جگہ تبدیل نہیں کی۔ آپ نے علم سیکھا، سکھایا اور اس پر عمل کر کے دکھایا۔ آپ نے والدین، رشتہ داروں، جماعتی وغیر جماعتی احباب کے ساتھ صلہ رحمی کی انمٹ مثالیں قائم کیں۔

محترم حافظ محمد دین کے بیٹے جدہ (سعودی عرب) میں مقیم ہیں۔ آپ ان کو ملنے کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور کچھ عرصہ قیام فرماتے۔ جماعتی ساتھی یا دیگر احباب حج وعمرہ کے لیے سعودی عرب جاتے وہ خود رابطہ کرتے یا آپ کو ممکنہ ذرائع سے پتا چل جاتا تو اپنے بیٹے عبدالرؤف کو مکہ معظّمہ بھیجتے۔ وہ اپنی گاڑی میں جدہ لے آتے۔ حافظ صاحب ان کی مہمان نوازی کر کے بہت خوش ہوتے۔ الوداع کرتے وقت تحفہ تحائف دیتے۔ اگر آپ کو قرائن سے پتا چل جاتا کہ اُن کا زادِ راہ کم ہے تو بغیر مطالبہ کے اُن کے ساتھ مالی تعاون کرتے۔ خرچ کر کے احسان نہ جتلاتے۔ کئی احباب نے مجھ سے اُن کی فیاضی کا ذکر کیا۔ چونکہ حافظ صاحب نے رضائے الٰہی سے سخاوت کی اس لیے اُن کا نام لینا مناسب نہیں سمجھتا۔ حدیث میں ہے:

''روزانہ صبح کے وقت دو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک کہتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا نعم البدل عطا فرما۔ دوسرا کہتا ہے: اے اللہ بچا بچا کر رکھنے والے کا مال تلف فرما۔'' (صحیح مسلم)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یقیناً اس دعا کے مصداق آپ کے مال ودولت میں برکت عطا فرمائی۔

امانت ودیانت:

حافظ محمد دین کا خاندان کوٹ بھائی خان میں مقیم تھا۔ وہ اپنی شرافت کی وجہ سے گاؤں میں معزز تھا۔ حافظ محمد صاحب اپنی مسجد کی آمدنی وخرچ کی تفصیل لکھ لیتے اور آج تک تمام ریکارڈ محفوظ ہے۔ تمام نمازیوں کو چیک کرنے کی اجازت ہے۔

جماعتی ساتھی مسجد کی تعمیر کے لیے جانور عنایت کرتے۔ برادرم ثناء اللہ گیٹ پر کھڑے ہو کر نیلامی کرتے۔ لوگ خوش ہو کر زیادہ رقم دینے کا اعلان کرتے۔ حافظ صاحب مذکورہ رقم کو رجسٹر میں درج کر دیتے۔

ادریس قریشی صاحب نے کہا کہ حافظ صاحب! ہمیں بھی خدمت خلق کا موقع دیں۔ ایک غریب بچی کی رخصتی کا مسئلہ تھا۔ حافظ صاحب نے قریشی صاحب کو اطلاع دی۔ انھوں نے جہیز کے لیے رقم دی تو حافظ صاحب نے سامان کی فہرست اور رسیدیں ادریس صاحب کو پہنچا دیں اور کہا کہ آپ نے مجھ پر اعتماد کیا میں نے اُس کو بحال رکھنے کے لیے فہرست دی ہے۔ تمام ساتھیوں نے متفقہ کہا کہ حافظ صاحب نے اپنی ذات کے لیے کسی سے رقم کا مطالبہ نہیں کیا۔ مسجد کے خادم ثناء اللہ کے عمرے کا خرچ خود برداشت کیا۔

حافظ صاحب کے گھر کا ماحول روحانی تھا۔ آپ کی بیٹیاں دینی مدارس سے فارغ التحصیل ہیں۔ گاؤں کی بچیاں تعلیم وتربیت کے لیے آتیں تو وہ صوم وصلاۃ کی پابند ہو جاتیں۔ جماعتی احباب نے تأثرات میں کہا ہے کہ ہمارے گھروں میں بیٹیوں کو اتنا تحفظ حاصل نہیں ہوتا جس قدر حافظ صاحب کے گھر میں ہوتا ہے۔

غیبت سے احتراز:

غیبت مہلک روحانی مرض ہے جو جماعتی اتحاد و یک جہتی کو گھن کی طرح چاٹ رہی ہے۔ غیبت کیا ہے؟ معلّمِ انسانیت ﷺ نے فرمایا:

''غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کے بارے میں ایسی بات کہو جو اسے ناپسند ہو۔'' کسی نے عرض کیا: ''اگر میرے بھائی میں وہ بات موجود ہو جو میں کہہ رہا ہوں تو کیا یہ بھی غیبت ہے؟'' فرمایا: ''جو کچھ تم اس کے بارے میں کہہ رہے ہو اگر وہ اس میں موجود ہے تو یہی غیبت ہے اگر اس میں موجود نہیں تو یہ بہتان ہوگا۔''

غیبت سے اخوت ومحبت ناپید ہو جاتی ہے اور نفرت وکدورت کے جراثیم جنم لیتے ہیں۔ غیبت کرتے ہوئے کسی کو احساس نہیں ہوتا کہ وہ اپنے فوت شدہ بھائی کا گوشت کھا رہا ہے۔ حالانکہ اسلام میں یہی غیبت ہے۔ تعلیم یافتہ صاحبان بھی اس بیماری سے محفوظ نہیں۔

بچپن سے محترم برادرم حافظ صاحب کے پاس نشست وبرخواست رہی۔ضلعی شوریٰ کے اجلاس کے دوران حافظ صاحب کی گفتگو سننے کا اتفاق ہوا اور تنہائی میں بھی جماعتی امور زیر بحث آئے۔ میں نے حافظ صاحب کی زبان سے کسی کی غیبت نہیں سنی۔

جب دیہی وشہری نظم کی تفریق نہ تھی، اُس وقت سرگودھا کے دو خاندانوں میں دھڑے بندی تھی۔محترم حافظ صاحب اور مولانا سلیم اللہ کمیر پوری رحمۃ اللہ علیہما میاں عبدالستار آزادگروپ سے منسلک تھے۔ میں نے اُن کی زبانی مولانا عبدالعزیز رحمہ اللہ سے متعلق نازیبا کلمات نہیں سنے۔یہی وجہ ہے کہ حافظ صاحب ۱۹ بلاک کی مسجد میں کبھی آتے تو حافظ صاحب کشادہ پیشانی سے ملتے اور آؤ بھگت کرتے۔

جماعتی دستور میں ترمیم کی وجہ سے شہراور ضلعی سطح پر الگ تنظیمیں قائم ہوئیں۔ بدقسمتی سے عہدوں کی دوڑ شروع ہوگئی۔عزیزم حافظ سیف اللہ نے فریق ثانی کی جماعتی دستور کی خلاف ورزی پر پروفیسر ساجد میر کی خدمت میں درخواست پیش کی۔ راقم کو وفد کے ہمراہ لاہور آنے جانے کا موقع ملا۔ہم سفرارکان فریق مخالف کی دستوری خلاف ورزی کی وضاحت کرتے رہے۔محترم حافظ صاحب اور مولانا سلیم اللہ رحمۃ اللہ علیہما خاموش رہے۔جب یہی ساتھی اُن کی غیبت پر اُتر آئے تو دونوں بزرگوں نے سختی سے منع کیا کہ ہماری جماعت کے معروف مقرر عالم ہیں۔ ہم اُن کا احترام کرتے ہیں۔ ہمارا دستوری اختلاف ہے تم خواہ مخواہ غیبت کرکے اپنے اعمال تباہ کر رہے ہو۔

محترم حافظ صاحب خواص وعام کو خندہ پیشانی سے ملتے۔ اسی طرح پیٹھ پیچھے اُن کا ذکر خیر کرتے۔ وہ کسی کے بارے بدگمانی کا اظہار نہ کرتے کیونکہ وہ اسے بھی جھوٹ میں شمار کرتے۔

بقیہ: احسان کا معنی ومفہوم

اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو چند نصیحتیں فرمائیں۔انھی نصیحتوں میں سے ایک نصیحت احسان کی ہے کہ اے ابوہریرہ! تم احسان کی صفت اپناؤ، لوگوں کے ساتھ بہترین سلوک کروتو مسلم ہوجاؤ گے۔

احسان کے متعلق حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا فرمان بھی ملاحظہ فرمائیں:

”عن عبيد الله بن عدي بن خيار أنه دخل عثمان بن عفان رضي الله عنه وهو محصور ، فقال: إنك إمام عامة ونزل بك ما نري ويصل بنا إمام فتنة ونتحرج ، فقال: الصلاة أحسن ما يعمل الناس فإذا أحسن الناس فأحسن معهم واذا أساء وا فاجتنب إساء تهم .“ (صحيح البخاري)

”عبیداللہ بن عدی بن خیار حضرت عثمان بن عفان کے پاس آئے اور وہ محصور تھے تو انھوں نے کہا کہ عثمان رضی اللہ عنہ! آپ امام ہیں اور آپ پر یہ مصیبت نازل ہوئی ہے جو ہم دیکھ رہے ہیں۔اور ہم کو فتنے کا امام نماز پڑھاتا ہے اور ہم اس کو ناپسند کرتے ہیں تو حضرت عثمان بن عفان نے کہا کہ نماز اعمال میں سب سے بہتر عمل ہے جس کو لوگ انجام دیتے ہیں تو جب لوگ اچھا کام، یعنی بھلائی کا کام اوراحسان کا جذبہ رکھیں تو ان کے ساتھ تم بھی احسان کا جذبہ رکھواور جب وہ لوگ بُرا کام کریں تو ان کی بُرائی سے پرہیز کرو۔“

معلوم یہ ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبیداللہ کو اپنے آخری وقت میں بھی احسان اور احسان کے جذبہ کے ساتھ کام کرنے کی نصیحت فرمائی۔لہٰذا احسان کا بڑا مقام ومرتبہ ہے جس کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔جب ایک امیر المومنین فتنے کے وقت میں احسان کی ترغیب دلاتا ہے تو بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ عام حالات میں انسان احسان کی صفت سے خالی وعاری ہوجائے۔

اللہ ربّ العالمین ہم تمام لوگوں کواحسان کی صفت سے متصف ہونے کی توفیق دے، آمین۔

تغیّرات

کچھ دنوں بعد زمانے کی ہوا بدلے گی
وقت کے ساتھ رہ و رسمِ وفا بدلے گی
شاخساروں سے نئے پھول نکل آئیں گے
لالہ زاروں میں شگوفوں کی ردا بدلے گی
آگ لہرائے گی بام و درِ سرمایہ پر
نوجوانوں کی جسارت سے فضا بدلے گی
ہاتھ لپکیں گے امیروں کے گریبانوں پر
خانقاہوں میں فقیروں کی صدا بدلے گی
بجلیاں سوئیں گی مٹی کے گھروں میں کب تک
ابر کڑکے گا، قضا رنگِ وفا بدلے گی
ٹوٹ جائے گا ہر اک حلقۂ زنجیر ستم
بے نواؤں کی زبانوں پہ دُعا بدلے گی
اور میرے خامۂ گل ریز کی بے لَوث اڑان
اپنی رفتار بہ اندازِ صَبا بدلے گی

(شورش کاشمیری)